الکھنؤ

تعمیر حیات

پندرہ روزہ

مجلس صحافت و نشریات دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد نمبر ۲۵ | ۱۰ فروری ۱۹۸۸ء مطابق ۲۱ جمادی الثانی ۱۴۰۸ھ | شمارہ [illegible]

اداریہ

شمس الحق ———

داعی کی تڑپ و بے کلی

سیرت نگاران رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم لکھتے ہیں کہ جب اہل مکہ کی اذیتوں کا سلسلہ دراز ہونے لگا اور مشرکین و کفار کی اسلام سے کراہت اور اس کی ناقدری اور حقارت بڑھ گئی تو آپ نے طائف کا قصد فرمایا۔ وہاں جو کچھ گذری وہ مکہ سے بھی کہیں زیادہ سخت تھی اہل طائف جن پر مال و دولت کا نشہ طاری تھا۔ انہوں نے آپ کا مذاق اڑایا اور شہر کے اوباش لوگوں اور غلاموں کو آپ کے ستانے پر مامور کر دیا یہ آپ کو گالیاں دیتے، شور مچاتے اور آپ پر پتھر پھینکتے، اس بے کسی اور کرب کے عالم میں آپ پناہ لینے کے لئے ایک کھجور کے سایہ میں تشریف فرما ہوئے۔ طائف میں آپ کو جتنا ستایا گیا وہ مشرکین مکہ کی ایذا رسانیوں سے کہیں زیادہ تھا انہوں نے راستہ کے دونوں طرف اپنے آدمی کھڑے کر دیئے آپ ایک قدم بھی اٹھاتے تو کسی طرف سے پتھر آپ پر پھینکا جاتا، حتی کہ آپ کے دونوں پیر زخموں سے لہولہان ہو گئے، اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کے فرشتے کو آپ کے پاس بھیجا اور اس نے آپ سے اس کی اجازت طلب کی کہ وہ ان دونوں پہاڑوں کو جن کے درمیان طائف واقع ہے ملا دے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ارشاد فرمایا کہ نہیں مجھے امید ہے کہ ان کی اولاد میں سے کوئی ایسا پیدا ہو گا جو خدائے واحد کی عبادت کریگا اور اس کے ساتھ کسی اور ہستی کو شریک نہ ٹھہرائے گا"

اتنی سخت ایذا رسانیوں کے بعد بھی کہ راستہ چلنا دشوار تھا گالی گلوچ شور و شر سے آگے بڑھ کر پتھروں کی بارش ہو رہی ہے نہایت بے بسی کا عالم ہے کوئی پرسان حال نہیں، کوئی یار و مددگار نہیں۔ ہر پڑھنے والا دل پر ہاتھ رکھ کر سوچے کہ اگر اس کے ساتھ اس ایذا کا ایک فیصد بھی پیش آتا تو وہ ان ستانے والوں کے لئے اپنے دل میں کتنی گنجائش رکھتا اور کیا موقع ملنے پر اور قابو پانے پر ان کو عبرتناک سزا نہ دیتا۔ لیکن محسن انسانیت کا یہ حال ہے کہ جب فرشتہ یہ کہتا ہے کہ اجازت ہو تو میں ان کو دو پہاڑوں کے درمیان پیس دوں۔ تو آپ فرماتے ہیں نہیں! ایسا کیوں؟! جسم خون سے لہولہان ہے جوتیاں پاؤں میں چپک گئی ہیں پتھر مارنے والوں اور تحقیر و تذلیل کرنے والوں کی صورتیں سامنے ہیں پھر بھی آپ فرماتے ہیں نہیں!

اس کی وجہ یہ تھی کہ دوزخ و جنت کا نقشہ آپ کے سامنے تھا خدا کو جھٹلانے والے آگ میں کودتے نظر آ رہے تھے جہنمیوں کے اس ہیبت ناک منظر کے سامنے اپنے پر جو کچھ بیت رہی تھی اس کا احساس کم تھا فکر تھی تو یہ کہ ان آگ میں کودنے والوں کو کیسے بچایا جائے۔ لہٰذا آپ اپنی تکلیف بھول کر فرشتہ کو جواب دیتے ہیں نہیں ممکن ہے ان کی نسلوں میں کوئی ایمان لائے، در اصل داعی کی مثال اس ملاح کی سی ہوتی ہے جو انسانی کنبہ کی کشتی کو طوفانی موجوں میں ہچکولے کھاتے دیکھتا ہے اور یہ نظر آتا ہے کہ کشتی اب ڈوبی اور تب ڈوبی تو وہ اپنی ہر تکلیف اور خطرہ کو بھول کر اس کشتی کے بچانے کے جتن کرتا ہے، انسانیت سے محبت اور اس کی نجات کا سودا اس کے سر میں ایسا سمایا ہوتا ہے کہ دیکھنے والا اس کا اندازہ لگا ہی نہیں سکتا جب تک اس کو بھی اس کی تڑپ و بے کلی کی کوئی چنگاری نہ نصیب ہو جائے بانی تبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جب دعوت کا کام میوات جیسے سنگلاخ علاقہ سے شروع فرمایا تو لوگوں کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا بعض مخلصین فرماتے کہ اپنے علم کو ان دیہاتیوں میں کہاں

نگران اعلیٰ

مولانا ابو العرفان ندوی

مجلس ادارت

شمس الحق ندوی

محمود الازہار ندوی

خط و کتابت کا پتہ

نیجر "تعمیر حیات" پوسٹ بکس ۹۳

ندوۃ العلماء، لکھنؤ

انڈیا

زر تعاون

سالانہ : پینتیس ۳۵ روپے

ششماہی : پچیس ۲۵ روپے

فی پرچہ : ایک روپیہ ۵۰ پیسے

بیرون ملک

بحری ڈاک، جلد ڈاک : ۱۰ ڈالر

فضائی ڈاک

ایشیائی ممالک : ۲۰ ڈالر

افریقی ممالک : ۲۰ ڈالر

یورپ و امریکہ : ۲۰ ڈالر

نوٹ

ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت و نشریات لکھنؤ کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر روانہ فرمائیں۔

◯

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے۔ لہٰذا آپ اگر یہ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا یہ خادم۔ ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو سالانہ چندہ مبلغ پینتیس ۳۵ روپے ارسال فرمائیے۔ یہ آپ کی ذمہ داری ہے۔ چندہ یا خط بھیجتے وقت اپنا خریداری نمبر لکھنا نہ بھولیں۔

حضرت مولانا محمد الیاس رح کے

چند ملفوظات

مولانا محمد منظور نعمانی صاحب مدظلہ

فرمایا — بعض اہل دین اور اصحاب علم کو "استغناء" کے باب میں بڑا سخت مغالطہ ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ استغناء کا مقتضیٰ یہ ہے کہ اغنیاء اور اہل ثروت سے مطلقاً ملا ہی نہ جائے اور ان کے اختلاط سے کلی پرہیز کیا جائے — حالانکہ استغناء کا منشاء صرف یہ ہے کہ ہم ان کی دولت کے حاجت مند بن کر ان کے پاس نہ جائیں اور طلب جاہ و مال کے لیے ان سے نہ ملیں، لیکن ان کی اصلاح کے لیے اور دینی مقاصد کے لیے ان سے ملنا اور اختلاط رکھنا ہرگز استغناء کے منافی نہیں، بلکہ یہ تو اپنے درجہ میں ضروری ہے۔ ہاں اس چیز سے بہت ہوشیار رہنا چاہیے کہ ان کے اس اختلاط سے ہمارے اندر حب مال و جاہ اور دولت کی حرص نہ پیدا ہو جائے۔

◉

فرمایا — جب کوئی اللہ کا بندہ کسی امر خیر کی طرف بڑھنا چاہتا ہے تو شیطان طرح طرح سے اس کی مزاحمت کرتا ہے اور اس کی راہ میں مشکلات اور رکاوٹیں ڈالتا ہے۔ لیکن اگر اس کی یہ مزاحمتیں اور رکاوٹیں ناکام رہتی ہیں اور وہ بندۂ خدا ان سب کو عبور کر کے اس کار خیر کو شروع کر ہی دیتا ہے تو پھر شیطان کی دوسری کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ اس کے اخلاص اور اس کی نیت میں خرابی ڈال کے یا دوسرے طریقوں سے اس کار خیر میں خود حصہ دار بننا چاہتا ہے۔ یعنی کبھی اس میں "ریاء" و "سمعہ" (دکھاوے اور شہرت کی خواہش) کو شامل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور کبھی دوسرے اغراض کی آمیزش اور ملاوٹ سے اس کی للہیت کو برباد کرنا چاہتا ہے اور اس میں وہ بسا اوقات کامیاب ہو جاتا ہے۔ اس لیے دینی کام کرنے والوں کو چاہیے کہ وہ اس خطرہ سے ہر وقت چوکنے رہیں اور اپنی نیتوں کا برابر جائزہ لیتے رہیں۔ کیونکہ جس کام میں رضاء الٰہی کے علاوہ کوئی دوسری غرض کسی وقت بھی شامل ہو جائے گی۔ پھر وہ اللہ کے یہاں قبول نہیں۔

◉

اس سوال پر کلام کرتے ہوئے کہ "مسلمانوں کو حکومت و اقتدار کیوں نہیں بخشا جاتا؟" فرمایا:

اللہ کے احکام اور امر و نواہی کی حفاظت و رعایت جب کہ تم اپنی ذات اور اپنی منزلی زندگی میں نہیں کر رہے (جس پر تمہیں اختیار حاصل ہے اور کوئی مجبوری نہیں ہے) تو دنیا کا نظم و نسق کیسے تمہارے حوالہ کر دیا جائے۔

ایمان والوں کو حکومت ارضی دینے سے تو منشاء الٰہی یہی ہوتا ہے کہ وہ اللہ کی مرضیات اور اس کے احکام کو دنیا میں نافذ کریں تو تم جب اپنے حدود اختیار میں آج یہ نہیں کر رہے ہو تو حکومت تمہارے سپرد کر کے کل کے لیے تم سے اس کی کیا امید کی جا سکتی ہے؟

◉

فرمایا — جو لوگ گورنمنٹ کے وفادار اور حامی سمجھے جاتے ہیں درحقیقت وہ کسی کے بھی وفادار اور حامی نہیں ہیں بلکہ صرف اپنی اغراض کے وفادار ہیں، البتہ آج چونکہ ان کی وہ دنی اغراض موجودہ گورنمنٹ سے پوری ہوتی ہیں اس لیے وہ ان کے حامی اور وفادار بنے ہوئے ہیں لیکن اگر کل ہی کو ان کی اغراض گورنمنٹ کے دشمنوں سے پوری ہونے لگیں تو وہ اسی درجہ میں ان کے بھی حامی اور وفادار ہو جائیں گے۔ ورنہ حقیقی طور پر تو ایسے غرض پرست لوگ اپنے باپ کے بھی وفادار نہیں ہوتے۔ تو ان لوگوں کی اصلاح کا طریقہ یہ نہیں ہے کہ ان کو برا بھلا کہا جائے یا بس گورنمنٹ کی مخالفت پر ان کو آمادہ کیا جائے، ان کی اصلی بیماری "غرض پرستی" ہے اور جب تک یہ ان میں موجود رہے گی اگر گورنمنٹ کی حمایت انھوں نے چھوڑ بھی دی تو اپنی اغراض کے لیے وہ کسی اور ایسی طاقت کے ایسے ہی وفادار بنیں گے۔ اس لیے کرنے کا کام یہ ہے کہ ان میں غرض پرستی کے بجائے خدا پرستی پیدا کی جائے اور اللہ اور اس کے دین کا انہیں سچا وفادار بنانے کی کوشش کی جائے۔ اس کے بغیر ان کی بیماری کا علاج نہیں ہو سکتا۔

◉

فرمایا — یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ ہر آدمی کو چین اس چیز کے حصول سے ملتا ہے جس کی اسے رغبت اور چاہت ہو مثلاً ایک شخص کو امیرانہ زندگی، بیش قیمت کھانوں اور کپڑوں سے ہی رغبت ہے تو اس کو ان چیزوں کے بغیر چین و آرام نصیب نہیں ہو سکتا، لیکن جس کو چٹائی پر بیٹھنا، بوریے پر سونا، سادہ لباس اور سادہ کھانا زیادہ مرغوب ہو ظاہر ہے کہ اس کو اسی میں زیادہ چین اور سکھ محسوس ہوگا، پس جن لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں سادہ معاشرت مرغوب ہو جائے اور ان کو اسی میں لذت اور چین ملنے لگے ان پر اللہ تعالیٰ کا بڑا انعام ہے کہ ان کا چین ایسی چیزوں سے وابستہ فرما دیا جو بے حد سستی ہیں اور جن کا حصول ہر غریب و فقیر کے لیے بہت آسان ہے۔ اگر بالفرض ہماری رغبت ان بیش قیمت چیزوں میں رکھدی جاتی جو دولتمندوں ہی کو میسر آ سکتی ہیں تو شاید عمر بھر ہم بے چین ہی رہتے۔

◉

فرمایا — ہم کو حکم ہے کہ جو مال تم کو اس دنیا میں دیا جائے اس کو روکو مت یعنی بخل مت کرو بلکہ خرچ کرتے رہو لیکن اس شرط کی پابندی کے ساتھ کہ یہ خرچ بے جگہ بھی نہ ہو اور بے سلیقہ بھی نہ ہو یعنی یہ صرف صحیح محل و مصرف میں ہو اور اللہ کے بتلائے ہوئے طریقہ پر اور اس کی مقرر کی ہوئی حدود کے اندر ہو۔

◉

ایک وقت ایسا ہوا کہ شاید بارش وغیرہ کی وجہ سے مولانا کے یہاں گوشت نہیں آ سکا اور اس دن مہمانوں میں میرے ایک محترم بزرگ (جو حضرت مولانا کے خاص عزیز بھی ہیں) وہ بھی تھے، گوشت سے جن کی رغبت حضرت مولانا کو معلوم تھی، یہ عاجز بھی حاضر تھا، میں نے دیکھا کہ مولانا پر اس کا بہت اثر ہے کہ آج دسترخوان پر گوشت نہیں ہے — مجھے اس پر ایک گونہ تعجب ہوا کہ یہ کون سی تاثر کی بات ہے؟

تھوڑی دیر کے بعد اسی پر قلق و افسوس کرتے ہوئے فرمایا:-

حدیث شریف میں ہے من کان یؤمن باللّٰہ والیوم الآخر فلیکرم ضیفہ (جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کو چاہیے کہ وہ مہمان کا اکرام کرے) اور اکرام ضیف میں سے یہ بھی ہے کہ اس کی رغبت کی چیز اگر مہیا ہو سکتی ہو تو مہیا کی جائے — اس کے بعد ایک خاص درد کے ساتھ فرمایا: فکیف باضیاف اللّٰہ واضیاف رسولہ "(جس کا مطلب یہ ہے کہ جب کسی کے ہاں ایسے مہمان آئیں جو صرف اللہ و رسول کی وجہ سے اور انہی کے تعلق اور انہی کے کام سے آتے ہیں تو ان کا حق تو اور بھی زیادہ ہو جاتا ہے)

◉

فرمایا — جنت حقوق کا بدلہ ہے یعنی اپنے حقوق، اپنا چین اور اپنا آرام اللہ کے لیے مٹایا جائے اور اپنے پر تکلیف برداشت کر کے دوسروں کے حقوق ادا کیے جائیں (جن میں حقوق اللہ بھی شامل ہیں) تو اسی کا بدلہ جنت ہے (اسی سلسلہ میں فرمایا) حدیث میں ارشاد ہوا ہے: "ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء" (تم زمین والوں پر رحم کھاؤ، رب السماء تم پر رحمت فرمائے گا)

حدیث میں دو عورتوں کے دو واقعے بیان کیے گئے ہیں جو عام طور سے معلوم اور مشہور ہیں۔ ایک یہ کہ کسی بدکار اور فاحشہ عورت نے کتے کی خبر گیری کی اور اس کی پیاس پر ترس کھا کر کنویں سے پانی نکال کے اس کو پلایا تو اللہ نے اس کے اس فعل کے عوض اس کے لیے جنت کا فیصلہ فرمایا، اور ایک دوسری عورت نے جو بدکار نہیں تھی ایک بلی کو بھوکا رکھ کر تڑپا تڑپا کر مار ڈالا تو وہ جہنم میں ڈال دی گئی۔

◉

فرمایا — انسان کا قیام زمین کے اوپر بہت کم ہے (یعنی زیادہ سے زیادہ عمر طبعی کی مقدار) اور زمین کے نیچے اس کو اس سے بہت زیادہ قیام کرنا ہے۔ یا یوں سمجھو کہ دنیا میں تو تمہارا قیام ہے بہت مختصر، اور اس کے بعد جن جن مقامات پر ٹھہرنا ہے مثلاً مرنے کے بعد نفخۂ اولیٰ تک قبر میں اس کے بعد نفخۂ ثانیہ تک اس حالت میں۔

(بقیہ صفحہ ۶ پر)

ضائع کر رہے ہو، مگر مولانا پر دعوت کی بے کلی طاری ہو چکی تھی مولانا وراثت نبوت کے اس مقام کو پہنچ چکے تھے جہاں بدیر دشکل پہنچا جاتا ہے۔ لھٰذا دعوت کی تڑپ دبے چینی کسی کروٹ چین نہیں لینے دیتی تھی، اسلام کا کلمہ پڑھنے والوں کا یہ حال کہ وہ گوبر لیک کو پوج رہے ہیں۔ اسلام سے وہ کوسوں دور ہیں۔ مولانا کو مار گزیدہ کی طرح تڑپا رہا تھا اور دعوت کا مولانا پر ایسا حال طاری ہو گیا تھا کہ کسی کل چین نہیں پڑتا تھا اور عجب انداز سے لوگوں کو اس کام کی طرف بلاتے و رغبت دلاتے تھے۔ ایک موقع پر لکھنؤ میں حاضرین سے مخاطب ہو کر۔ فرمایا

بھائیو میں ایک ابتلا میں گرفتار ہوں دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھکو اس سے نکالیں، جب سے میں یہ دعوت لے کر کھڑا ہوا ہوں لوگ مجھ سے محبت کرنے لگے ہیں، مجھے یہ خطرہ ہونے لگا ہے کہ مجھ میں اعجاب نفس نہ پیدا ہو جائے میں بھی اپنے کو بزرگ نہ سمجھنے لگوں میں ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ مجھے اس ابتلا سے بسلامت نکال لیں آپ میرے حق میں دعا فرمائیں۔ [1]

داعی امت دعوت کا ایک فرد ہوتا ہے جو نیابت رسول کا فریضہ انجام دیتا ہے۔ لھٰذا اسمیں وہ تڑپ دبے چینی بھی ہونی چاہیئے۔ جو داعی اول میں تھی۔ مولانا سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں۔

" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تبلیغی احوال وکیفیات کا ذکر قرآن پاک میں بار بار آیا ہے اور ہر بار یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو امت کا کتنا غم تھا ایسا غم کہ جس کے بوجھ سے پشت مبارک ٹوٹی جا رہی تھی (ارشاد ربانی ہے)

أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ وَوَضَعْنَا عَنكَ وِزْرَكَ الَّذِي أَنقَضَ ظَهْرَكَ

" کیا ہم نے تمہارے سینہ کو نہیں کھول دیا اور تم سے اس بوجھ کو نہیں اتار لیا جس نے تمہاری پیٹھ کو توڑ دیا تھا۔"

امت کے غم سے یہ حال تھا کہ حضور

[1] یاد رفتگاں

صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا جینا دو بھر معلوم ہوتا تھا اللہ تعالیٰ نے تسلی دی اور فرمایا

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ أَلَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ (شعراء)

" تو کیا اس بات پر آپ اپنی جان پیچ گھونٹ ڈالیں گے کہ یہ ایمان نہیں لائے۔"

دعوت وتبلیغ کا اصل محرک بندگان خدا پر شفقت ورحمت اور خیر خواہی کا جذبہ ہے جو دل میں یہ کسک ڈھیس پیدا کرتا ہے کہ امت کی اصلاح کیونکر ہو، لھٰذا داعی کا اولین فرض یہ ہوتا ہے کہ وہ دعوت کی بانسری محبت واخلاق کریمانہ کی لے میں بجائے اور دلوں کو گرمائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یمن کی سمت دو صحابیوں کو اسلام کا داعی بنا کر بھیجا تو ان کو یہ نصیحت فرمائی۔

یَسِّرَا وَلَا تُعَسِّرَا وَبَشِّرَا وَلَا تُنَفِّرَا، تم لوگوں کو آسانی کی راہ بتانا ان کو دقت میں نہ ڈالنا انہیں خوشخبری سنانا اور نفرت نہ دلانا۔

خصوصاً وہ حضرات جن کو اللہ تعالیٰ نے دعوت وتبلیغ کے کام سے جوڑا۔ اور اس فکر ولگن کے ساتھ ان کو مختلف شہروں اور ملکوں میں پھرایا ہے ان کو خصوصاً اس کا خیال رکھنا چاہئے کہ انکے کسی قول وعمل سے کسی کی دلآزاری نہ ہو ان کے وہ اوقات جو سفر سے واپس آکر اپنے گھر اور ماحول میں گذرتے ہیں ان میں کوئی ایسی بات نہ پیش آنے پائے جو لوگوں میں بدگمانی وبددلی پیدا کرے کہ زبانی دعوت سے کہیں بڑھ کر عمل وکردار کی دعوت ہوتی ہے جو از خود دلوں کو کھینچتی ہے۔ اور اس میں معمولی کوتاہی بڑے غلط اثرات چھوڑتی ہے ہمارا دوسرے شہروں اور ملکوں میں جانا اور نکلنا جہاں دوسروں کو خیر کی طرف بلانے کی خاطر ہوتا ہے وہیں اپنی سیرت واخلاق کو اسلامی سانچہ میں ڈھالنا مقصود ہوتا ہے دعوت کا کام ایسا مبارک کام ہے کہ معمولی سے معمولی آدمی کو محبوب بنا دیتا ہے۔ ہر جگہ وہ عزت واکرام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے تھیما یہ خطرہ اور اندیشہ ہوتا ہے کہ دعوت کا کام کرنے والا کہیں فریب نفس میں نہ مبتلا ہو جائے یہی وجہ تھی جس کی بنا پر حضرت مولانا محمد الیاس نے فرمایا

[1] مقدمہ مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت

سماں تھا حشر کا عالم تھا نفسی نفسی کا

ڈاکٹر طفیل احمد مدنی

پڑا جو وقت تو وہ ساری شان بھول گیا
ذرا سی دیر میں سب آن بان بھول گیا

حضور میں تو اسی شہر کا ہوں باشندہ
جو اک زمانے سے امن و امان بھول گیا

بدل دیے تھے حوادث نے راستے سارے
سفر سے لوٹا تو اپنا مکان بھول گیا

سماں تھا حشر کا عالم تھا نفسی نفسی کا
میں خانداں کو مجھے خانداں بھول گیا

طلسم بند قفس صیاد کی نگاہیں بھی !!
نظر ملی تو پرندہ اڑان بھول گیا

فساد وفتنہ وغارت گری کی بستی میں
غضب ہوا کہ موذن اذان بھول گیا

کرم کا ذکر ہی کیا ہو ستم سے بھی محروم !
میں وہ زمیں ہوں جسے آسمان بھول گیا

ستم ظریفی حالات ہی تو ہے یہ طفیل
تو اپنے شہر میں اردو زبان بھول گیا

تھا کہ بھائیو میں آج کل امتحان میں مبتلا ہوں میرے لئے دعا کریں کہ مجھ میں غرور نہ پیدا ہو جائے میں اپنے کو بزرگ نہ سمجھنے لگوں۔ بہت ڈرنے کی بات ہے کہ مولانا جیسا ولی کامل اگر یہ کہہ سکتا ہے تو ہم ان کے نقش قدم پر چلنے والوں کو اپنی کس درجہ فکر رکھنی چاہئیے کہ خدا نخواستہ کہیں ہماری کسی کوتاہی سے کوئی شخص نفس دعوت کے کام سے نہ بدگمان ہو جائے جو بڑے خسارہ کی بات ہوگی خصوصاً حقوق العباد کا پہلو ہمارے دین دار گھرانوں میں اور دین کے نمائندہ طبقہ تک میں بہت کمزور ہو گیا۔ باہمی لین دین اور آپسی معاملات حقوق کی ادائگی اور ایک دوسرے کا خیال اتنا کم ہو گیا ہے کہ بڑے بڑے مجاہدات کو بے اثر بنا دیتا ہے اور ہمارے ذکر وتسبیح کو فریب کا جال ثابت کرتا ہے یہی وجہ تھی کہ بانی تبلیغ اور مولانا یوسف کے ملفوظات وتقریروں میں ادائگی فرض حقوق العباد کی رعایت اور صفائی معاملات پر بڑا زور دیا گیا ہے۔

جس کی ہلکی سی جھلک اسی شمارہ میں ان دونوں حضرات کے دیئے گئے اقتباسات میں نظر آئے گی اور مرکز کے موجودہ سارے حضرات اس پہلو کی طرف برابر متوجہ کرتے رہتے ہیں جب بھی نظام الدین جانا ہوا یا کسی بھی اجتماع میں جماعتوں کی روانگی کے وقت ہدایات دی گئیں تو حقوق العباد اور صفائی معاملات والے پہلو کو خصوصیت سے نمایاں طور پر بیان کرتے سنا،

حضرت مولانا محمد الیاس اپنے ایک ملفوظ میں فرماتے ہیں۔

" بھائیو مؤمنین کی خدمت عبدیت کا اصل مقام ہے، عبدیت کیا ہے جو مومنین کے لئے ذلیل ہونے کی عزت کو حاصل کرے یہی ہماری تحریک کا اولین اصول ہے اور یہ ایک ایسا اصول ہے کہ کوئی اجتہادی (دینی علماء کرام) تقلیدی (عوام الناس) یا مادی (جو لوگ ہر کام کو دولت یا دنیا کے حصول کے لئے کرتے ہیں) اس کی تردید نہیں کر سکتا۔ [1]

[1] مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت

زندگی سوالات وجوابات کا مجموعہ

مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی مدظلہ

جناب ہدایت حسین صاحب معتمد مالیات دارالعلوم ندوۃ العلماء کے پوتے کی تقریب شادی کے موقع پر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ نے خطبۂ نکاح پڑھا اور یہ فکر انگیز تقریر فرمائی، ادارۂ تعمیر حیات ہدایت حسین صاحب کا شکر گزار ہے کہ انھوں نے ٹیپ سے یہ مفید و مؤثر تقریر نقل کرا کے عنایت فرمائی۔ اور افادہ عام کی غرض سے ہم اسے ہدیۂ ناظرین کر رہے ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ۝ ...

یہ نکاح، یہ عقد کوئی غیر اجتماعی یا فطری ضرورت کی تکمیل نہیں ہے بلکہ ایک عبادت ہے، انبیاء علیہم السلام کی سنت رہی ہے اور سید الانبیاء محمد رسول اللہ کی محبوب سنت اور شعار ہے اس لیے اس کے ساتھ جیسا کہ اسلام کا قاعدہ ہے ایک پیغام ہے اور اہم ذمہ داری کا احساس دلایا گیا ہے۔ اللہ کی بندگی کا، عبودیت کا، اور اپنی ذمہ داری کا، اور اس کے متعلق جو احکام ہیں، شریعت کے جو حقوق فرائض ہیں، ان کی بھی یاد دہانی کی گئی ہے یہ آیتیں جو ابھی ہم نے آپ کے سامنے پڑھی ہیں ان کا پڑھنا ثابت ہے۔ ان کا ترجمہ کر دینا مناسب سمجھتا ہوں تاکہ ہمارے عزیز کو بھی اس کے مطالب معلوم ہو جائیں اور سامعین بھی اس میں شریک ہوں۔ سورۂ نساء کی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اے لوگو! پاس اور لحاظ کرو، شرم کرو اپنے پروردگار سے جس نے تم کو ایک اکیلی جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور دونوں کے ملنے سے اس نے بہت سے مرد اور بہت سی عورتیں پیدا کر کے زمین میں پھیلا دیں۔ اور اس اللہ کا پاس ولحاظ کرو جس کے نام پر تم سوال کرتے ہو اور رشتہ داریوں کا خیال رکھو ان کے حقوق وفرائض ادا کرو۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نسل انسانی کے آغاز کا ذکر کیا ہے۔ یہ مبارک ترین آغاز ہے دنیا کی تاریخ جس سے بنتی ہے اور جس سے ہم سب کا تعلق ہے، ہمارے آباواجداد کا تعلق ہے، اگلی نسلوں کا بھی تعلق ہے، اور انشاء اللہ پچھلی نسلوں کا بھی ہوگا۔ نسل انسانی کے آغاز کا جس سے اس دنیا میں اور زندگی میں معنویت پیدا ہوئی اور اس کی قدر وقیمت پیدا ہوئی، جس کا اللہ تعالیٰ ذکر کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو ایک انسان سے شروع کیا لیکن اسی کے ساتھ اس کا جوڑا پیدا کیا اور دونوں کے مل جانے سے، نکاح سے اور شرعی طریقہ پر اخلاقی اور قانونی طریقہ پر اللہ کے حکم کے مطابق جوان لوگوں نے تعلق قائم کیا اس میں ایسی برکت ہوئی کہ آج ساری دنیا یہ خرابہ زمین جس کو کہتے ہیں یہ آباد ہے یہ دنیا ویران ہوتی اگر انسان نہ ہوتا، تو اللہ تعالیٰ نے اس آغاز کا ذکر کر کے گویا فال نیک کے طور پر، بشارت کے طور پر کہا کہ دو کے ملنے کو تم معمولی بات نہ سمجھو، دو ہی تھے جو ملے تھے شروع میں جن سے اللہ تعالیٰ نے اتنی بڑی نسل پیدا کر دی، تو یہ ایک ایسے مبارک واقعہ کی یاد دہانی ہے جس سے انسان نصیحت حاصل کر سکتا ہے اور اطمینان واعتماد حاصل کر سکتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ سے بڑی بڑی امیدیں قائم کر سکتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس اللہ سے ڈرو اس کا پاس ولحاظ کرو جس نے تم کو ایک اکیلی ہستی سے پیدا کیا تھا، اتنی بڑی دنیا اور ایک اکیلی ہستی

لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ اس کی شریک زندگی پیدا کیا ان دونوں کو ملایا اور ان دونوں کے ملنے سے مردوں اور عورتوں کی وہ تعداد پیدا کی جن کو کوئی دنیا کا اعداد وشمار کرنے والا، کوئی تاریخ داں اور نہ کوئی حساب داں شمار کر سکتا ہے، تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس اللہ سے ڈرو، شرم کرو جس کے نام پر تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو، یہ ایک خاندان کا دوسرے خاندان سے، ایک شریف مسلمان خاندان کا دوسرے شریف مسلمان خاندان سے سوال کرنا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو سب کچھ دیا ہے ہمارے فرزند کو اللہ تعالیٰ نے سب کچھ دیا ہے۔ زندگی عطا کی عقل وہوش عطا کی، علم عطا کیا اور دوسری صلاحیتیں بھی دے رکھی ہیں، لیکن اس کی زندگی میں ایک خلا ہے وہ خلا پر نہیں ہو سکتا بغیر ایک رفیقۂ حیات کے، ایک شریک زندگی کے، آپ ہمیں ایک شریک زندگی دیجیے، تو یہ بھی ایک سوال ہے نہایت مہذب سوال ہے لیکن بہرحال سوال ہے اور ہماری پوری زندگی سوالات وجوابات کا ایک جال ہے جس میں ہر حلقہ جال کے دوسرے حلقہ سے پیوست ہے اس سے کوئی مستغنی نہیں ہو سکتا ہر انسان سائل ہے، ہر انسان مسئول ہے۔ ایک بڑے سے بڑا انسان بھی سوال پہ مجبور ہے، یہ بیع وشراء کا، یہ خرید وفروخت کا معاملہ کیا ہے؟ سوال ہے۔ یہ حاکم ومحکوم کا تعلق کیا ہے؟ سوال وجواب ہے یہ آپس کے عزیزانہ تعلقات کیا ہیں سوال وجواب، یہ تعلیم وتعلم کیا ہے؟ پڑھنا لکھنا کیا ہے، استاد وشاگرد کے درمیان سوال وجواب ہے۔ سوال وجواب کا رشتہ آپ دیکھیں گے ہماری پوری زندگی میں چھایا ہوا ہے اگر ایک طالب علم پڑھتا ہے تو وہ سائل ہے، ایک استاد پڑھاتا ہے تو وہ مسئول ہے اسی طریقہ سے جس کے پاس کوئی چیز ہے اور دوسرا اس کا محتاج ہے جو محتاج ہے وہ سائل ہے اور جس کے پاس چیز ہے وہ مسئول ہے لیکن وہی مسئول جو کسی کو دے رہا ہے وہ کسی اور کا سائل ہے، اس دنیا میں کوئی فرد سائل ہونے سے مستثنیٰ نہیں ہے، بڑے سے بڑا معزز یہاں تک کہ کسی ملک کا صدر بھی ایک طرح کا سائل ہے، نہایت معزز سائل بڑے اختیارات رکھنے والا سائل، لیکن ہے وہ بھی سائل ہی، اس کو بھی ضرورت ہے،

اگر اس کی مملکت کے انسان نہ ہوں اس کے کام چلانے والے نہ ہوں جن پر حکومت کرتا ہے کم سے کم وہ نہ ہوں تو وہ کا ہے کا حاکم ہوا اور کاہے کی اس کی مملکت ہوتی تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس اللہ سے ڈرو اس کا پاس رکھو جس کے نام پر تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو، تمہیں کیسے جرأت ہوئی ایک خاندان کی ایسی ہستی کو مانگنے کی جس پر کسی غیر کی نگاہ نہیں پڑ سکتی جس کو پردہ میں رکھا جاتا ہے جس کی عزت کو اپنے خاندان کی عزت سمجھا جاتا ہے، اس کو مانگنے کی تم کو جرأت کیسے پیدا ہوئی یہ اللہ کے نام کا واسطہ تھا، یہ اسلام کا رشتہ تھا، یہ اسلام کا اشتراک تھا۔ یہ وہ چیز تھی جو دو خاندانوں کو ملاتی ہے، جو دو افراد کو ملاتی ہے، بعض اوقات قوموں کو ملاتی ہے، بعض اوقات نسلوں کو ملا دیتی ہے تو جس خدا کے نام پر تم سوال کر رہے ہو لڑکے والوں نے لڑکی والوں سے سوال کیا تو اس نام کا اتنا ہی فائدہ نہ سمجھو کہ کام نکال لیا بلکہ اس نام کا ہمیشہ ادب ملحوظ رکھو اور جب یہ نام لیا جائے تو اس کا احترام کرو اور اس نام کا حق ادا کرو، اگر اذانیں ہو رہی ہیں تو اس میں اس کا نام لیا جا رہا ہے اگر شریعت کا حکم بیان کیا جا رہا ہے تو اس میں اس کا نام لیا جا رہا ہے۔ اگر حلال وحرام کی بحث ہے تو اس میں اللہ ہی کا نام بیچ میں ہے۔ اگر کوئی کسی کو ڈراتا ہے کہ خدا سے ڈرو تو اس میں بھی خدا ہی کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بڑی خود غرضی کی بات ہے اور شرافت کے معیار سے گری ہوئی بات ہے کہ آدمی اپنا کام نکال لے اس کا نام لے کر پھر بھول جائے ایک مسلمان کو یہ نہیں چاہیے۔ فرماتا ہے کہ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ اس خدا سے ڈرو جس کے نام پر تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو وَالْأَرْحَامَ اور رشتوں کا بھی خیال کرو آج نیا رشتہ قائم ہو رہا ہے تو اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جب کوئی نیا رشتہ قائم ہوتا ہے تو پرانے رشتوں کو بھلا دینا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ بعض بعض معاشروں میں اور بعض تہذیبوں میں، لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ نہیں، یہ رشتہ مبارک لیکن اس سے پہلے کے جو رشتے ہیں وہ سب اپنی جگہ پر ہیں، جو حقوق وفرائض ہیں، ان کی ذمہ داریاں اپنی جگہ پر ہیں، ماں اپنی جگہ پر ہے باپ

اپنی جگہ پر ہے۔ بہنیں اپنی جگہ پر ہیں، بھائی اپنی جگہ پر ہے ایک نئے رشتہ سے وہ رشتے ختم نہیں ہوں گے، فرمایا والارحام رشتہ داریوں کا خیال رکھنا جس کا جو حق ہے اسے ادا کرنا۔ لڑکے کو بھی یہ نصیحت ہے، لڑکی کو بھی یہ نصیحت ہے ان کے گھر والوں کو بھی یہ نصیحت ہے۔ اور اگر کوئی کہے کہ یہ تو وقت کی بات ہے کون دیکھتا ہے اور کون جانتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ علیکم رَقِیْبًا بے شک اللہ دیکھنے والا ہے وہ ہر ایک کے ساتھ ہے اور ہر وقت ہے دوسری آیت جو میں نے پڑھی ہے اس کا ترجمہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جتنا کہ ڈرنے کا حق ہے اپنی طرف سے معیار مقرر نہ کرو کہ ہم تو بہت ڈرتے ہیں جسے اللہ کہے کہ ہاں یہ ڈرنا ہے، جسے شریعت کہے کہ ہاں یہ ڈرنا ہے، جس کو خوف کہتے ہیں، جس کو ڈرنا کہتے ہیں، جس کو احتیاط کہتے ہیں، جس کو قانون پہ چلنا کہتے ہیں وہی معتبر ہے، تو اللہ سے ڈرو جتنا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ یہ خدا کے پیغمبر ہی کے کہنے کی بات تھی ورنہ کوئی مبارکباد دینے والا کوئی عزیز بھی اس موقع پر یہ نہیں کہتا، پیغمبر پیغمبر ہے وہ ایسی ابدی حقیقتوں کا اعلان کرتا ہے جو حقیقتیں کبھی فنا نہیں ہوتیں، اللہ تمھیں مبارک کرے ایسی بہت سی خوشیاں تمھیں مبارک کرے۔ اور یہ خوشیوں کا ایک سلسلہ ہوگا انشاء اللہ لیکن اس کو نہ بھولنا کہ تمھیں اس دنیا سے جانا ہے فلا تموتن الا وانتم مسلمون زندگی گذارو فرمانبرداروں کی طرح اور جب جاؤ تو فرمانبرداروں کی طرح ہمارا سر خدا کے سامنے جھکا ہوا ہو، ہمارے دل میں خدا کی محبت اور اس کے رسول کی عظمت ہو ہماری زبان پر اس کا کلمہ ہو اس کے بعد آخری آیت جو ایجاب و قبول سے پہلے پڑھنے والی ہے اس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یاایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللّٰہ وقولوا قولاً سدیداً اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سچی بات کہو کہ قول مرداں جان دارد" یہ پتھر کی لکیر نہیں ہے کہ زبان ہلادی اور کہہ دیا کہ ہم نے قبول کیا بلکہ جب یہ کہو کہ ہم نے قبول کیا تو سوچ سمجھ کر اور اس کی پوری ذمہ داری کو اپنے ذہن میں تازہ کرکے کہ ہم کیا کہہ رہے ہیں اس کا کیا مطلب ہے اور اس کے کیا تقاضے ہیں، اس کا سلسلہ کہاں تک جائے گا، فرماتا ہے کہ اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سچی و پکی بات زبان سے نکالو اگر تمھیں سچی اور پکی بات زبان سے نکالنے کی عادت پڑ گئی تمھارا کیرکٹر بن گیا تمھارا کردار بن گیا، تمھارا اصول زندگی بن گیا تو کیا نتیجہ ہوگا یہی نہیں کہ یہ عقد صحیح ہو بلکہ یصلح لکم اعمالکم اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تمھارے تمام کاموں کو درست کردے گا آج دنیا کی ساری خرابی ہمارے تمدن میں سب کچھ ہے سارے وسائل و ذرائع موجود ہیں کتنی ایجادات ہیں اور کتنے آرام حاصل کرنے کے ذرائع ہیں لیکن کیا چیز کم ہے ذمہ داری کا احساس نہیں آدمی جو چاہتا ہے اپنا کام نکالنے کے لیے نکال لیتا ہے پھر بھول جاتا ہے فرمایا یصلح لکم اعمالکم اس کی برکت سے تمھارے سارے اعمال کو اللہ درست فرمادے گا تمدن کی چول بیٹھ جائے گی معاشرہ کا مزاج درست ہو جائے گا ہر ایک کو راحت ملے گی اور یہ نہ ہوگا کہ انسان ایک بازار میں ہے یا جنگل میں ہے جہاں پرندوں سے کام ہے یا سوداگروں سے کام ہے اور کسی کو کسی سے مطلب نہیں جیسی ضرورت سمجھی ویسی زبان سے نکال دیا۔ یصلح لکم اعمالکم اللہ اس کی برکت سے تمھارے سارے اعمال درست فرمادے گا ویغفر لکم ذنوبکم اور پھر یہ ایک عبادت ہے نبی کی سنت ہے اس لیے اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ تمھارے گناہوں کو بھی معاف کردے گا ---- فقد فاز فوزاً عظیماً جو اللہ کے رسول کی اطاعت کرے گا وہ پورے طور پر کامیاب ہوا۔

بقیہ: حلاوت قرآن

اور نہ ہم گناہ کا ارتکاب کریں اور اپنے تمام حالات میں اطمینان و سکون کے ساتھ رہیں اور ہمارے اوقات فکر آخرت میں گذریں۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

کا ایک دوسرا واقعہ سنیے! ایک دفعہ تیز کی دھوپ میں جب کہ گرم ہوا اور لُو چل رہی تھی، حضرت عثمان ذوالنورینؓ نے اپنے مکان کے روشن دان سے دیکھا کہ فاروق اعظمؓ اونٹوں کے پیچھے چلے جارہے ہیں۔ تو انھوں نے عرض کیا کہ آپ اتنی شدت کی لُو اور دھوپ میں کہاں جارہے ہیں؟ فرمایا کہ یہ اونٹ پیاسے ہیں، ان کو پانی پلانے کے لیے جارہا ہوں انھوں نے عرض کیا کہ حضرت یہ کام تو غلام بھی کرلیتا۔ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر یہ اونٹ پیاسا رہ جائے گا تو اس کے بارے میں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مجھ سے پوچھیں گے، غلام سے نہیں پوچھیں گے، اس وقت میں خدا کے سامنے کیا جواب دوں گا۔ دیکھیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اتنا خوف تھا کہ اگر ایک اونٹ بھی پیاسا رہ جائے گا تو میں اللہ کے سامنے کیا جواب دوں گا؟ ہم لوگوں کو چاہیے کہ ان واقعات سے سبق حاصل کریں۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

ایک دفعہ رات کے وقت اپنے حجرہ میں چراغ جلاکر بیٹھے ہوئے کچھ لکھ رہے تھے کہ اتنے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ ان سے ملاقات کے لیے تشریف لائے، دروازہ بند تھا آپ نے آواز دی کہ دروازہ کھول دیجیے تو اندر ہی سے پوچھا کیا کام ہے؟ کچھ ذاتی کام ہے، یا امور خلافت سے متعلق کوئی کام ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ مجھے اپنے ذاتی امور میں کچھ گفتگو کرنی ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دروازہ کھول دیا اور ان کے اندر آتے ہی چراغ گل کردیا حضرت علیؓ نے کہا کہ اے امیرالمومنین آپ نے میرے آتے ہی چراغ کیوں گل کردیا؟ تو فرمایا کہ اے علی یہ مال مسلمانوں کا ہے اس سے امور خلافت سے متعلق کاموں میں ہی فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے اور اس وقت ہماری آپ کی ذاتی گفتگو ہوگی اگر اس میں اس سے فائدہ اٹھایا جائے گا تو خیانت ہوگی۔

آج ہم سوچیں کہ ہم کہاں پہنچ چکے ہیں۔ امانت میں خیانت کرنا اور مال کا ضائع کرنا جائز نہیں یہ اللہ کی امانت ہے قیامت میں پوچھا جائے گا کہ ہم نے تم کو مال دیا تھا اس کو تم نے کہاں خرچ کیا؟ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مال کو ضائع کرنے پر وعیدیں نازل ہوئی ہیں۔ فرماتے ہیں۔ اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ وَکَانَ الشَّیْطٰنُ لِرَبِّہٖ کَفُوْرًا۔ بے شک بے موقع اڑانے والے شیطانوں کے بھائی بند ہیں اور شیطان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے۔

بقیہ: ملفوظات، حضرت محمد الیاسؒ

جس کو اللہ ہی جانتا ہے (اور یہ مدت بھی ہزار ہا برس کی ہوگی) اور پھر ہزار ہا برس ہی عرصۂ محشر میں، اس کے بعد آخرت میں جس ٹھکانے کا فیصلہ ہو سو فرض دنیا سے گذرنے کے بعد ہر منزل اور ہر مقام کا قیام دنیا سے سینکڑوں ہی گنا زیادہ ہوتا ہے — پھر انسان کی کیسی غفلت ہے کہ دنیا کے چند روزہ قیام کے لیے وہ جتنا کچھ کرتا ہے ان دوسرے مقامات کے لیے اتنا بھی نہیں کرتا۔

◉

فرمایا — "حقیقی ذکر اللہ" یہ ہے کہ آدمی جس موقع پر اور جس حال اور جس مشغلہ میں ہو اس کے متعلق اللہ کے جو احکام و اوامر ہوں ان کی نگہداشت رکھے اور میں اپنے دوستوں کو اسی "ذکر" کی زیادہ تاکید کرتا ہوں۔

◉

فرمایا — انسان کو اپنے ماسوا پر جو امتیاز و تفوق حاصل ہے اس میں زبان کو خاص دخل ہے۔ اب اگر زبان سے آدمی اچھی ہی باتیں کرتا ہے اور خیر ہی میں اس کو استعمال کرتا ہے تو یہ امتیاز اور تفوق اس کو خیر میں حاصل ہوگا، اور اگر زبان کو اس نے آلۂ شر بنا رکھا ہے، مثلاً بری باتیں بکتا ہے اور ناحق لوگوں کو ایذا دیتا ہے تو پھر اسی زبان کی بدولت وہ شر میں ممتاز اور بالاتر ہوگا، حتیٰ کہ کبھی کبھی یہی زبان آدمی کو کتے اور خنزیر سے بھی بدتر کردے گی حدیث شریف میں ہے:

وھل یکب الناس فی النار علیٰ مناخرھم الاحصائد السنتھم

(یعنی آدمیوں کو جہنم میں اوندھے منہ ان کی بکواس ہی ڈالے گی)۔

اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا۔

دعائے مغفرت

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے شعبہ تعمیر و ترقی میں کام کرنے والے مخلص و مستعد کارکن جناب سبین الرحمان صاحب توّاں کا تقریباً چار ماہ کی مسلسل علالت کے بعد ۲۵ر جنوری کو انتقال ہوگیا قارئین تعمیر حیات سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

بانیٔ تبلیغ مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ

مولانا سید سلیمان ندویؒ کے قلم سے

مولانا کا ذکر خیر مدت سے سُن رہا تھا، ہمارے مدرسہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے متعدد اساتذۂ کرام جن کے سرخیل مولانا ابوالحسن علی ندوی تھے کئی دفعہ بستی نظام الدین جاکر مولانا سے مل چکے تھے اور بابرکت فیض سے مستفید ہو چکے تھے بلکہ ہمارے یہاں سے کئی سال سے متواتر طلبہ کے وفود مولانا کے حلقۂ مبلغین میں داخل ہوکر خدمت کیا کرتے تھے اور واپس آکر اپنے تأثرات بیان کرتے تھے، مگر خاکسار کو ذاتی طور پر نیاز کا شرف حاصل نہ تھا، اتفاق دیکھئے کہ گذشتہ سال مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی نے مولانا اور ان کے ساتھیوں کو لکھنؤ اور ندوہ میں قیام کرنے کی دعوت دی چنانچہ شعبان کی بیچ کی تاریخ اس کے لئے مقرر ہوئی ادھر رجب کے شروع میں جولائی کی بیچ کی تاریخیں تھیں، خاکسار تھانہ بھون میں تھا کہ مولانا کی آمد کی اطلاع ملی اور تھوڑی دیر کے بعد معلوم ہوا کہ وہ واپس دہلی کے لئے اسٹیشن روانہ ہوگئے۔ مجھے بھی دہلی جانا تھا اور اسی گاڑی سے مولانا ظفر احمد صاحب کے ساتھ اسٹیشن آیا۔ دیکھا کہ ایک دبلے پتلے نحیف سے میانہ قد، بڑی داڑھی، کچھ کچی اور کچھ پکی، ہاتھ میں چھڑی، سر پر عمامہ۔ مگر وہ کبھی سر سے اترا اور کبھی سر پر رکھا ہوا، اسی طرح جسم پر لمبے کرتے کے اوپر ایک عبا سا، مگر وہ بھی کبھی در بر اور کبھی باہر، ایک کمبل بچھائے ایک درخت کے نیچے بیٹھے ہیں۔ ہم دونوں بھی سلام کے بعد جا کر بیٹھ گئے وہ اور مولانا ظفر احمد صاحب تو مدت کے رفیق اور ایک دوسرے کے محب اور دوست تھے، مولانا نے فوراً اپنی تبلیغ کی تقریر شروع کردی اور ان کو اپنے طریق دعوت کی توضیح بھی بیان فرماتے رہے اور وہ مجھ سے بالکل ناآشنا تھے اور میں ان کے نام اور کام سے آشنا، مگر خود ان کی حقیقت سے ناآشنا تھا، میں ان کی باتوں کو چپ سنتا رہا، آخر میں یہ عرض کی کہ حضرت! ایسے لوگوں کو جو صرف دو چار دن آپ کی صحبت میں رہے ان کو تزکیہ اور تصفیہ کے بغیر مبلغ بنا کر بھیجنا کیونکر مفید ہوگا فرمایا مکتوبات مجدد الف ثانی پڑھیے، معلوم ہو جائے گا۔ دوبارہ عرض کی، میں نے ان کو پڑھا ہے، مگر ان سے تو اس مشکل کا حل معلوم نہ ہوا، شاید مولانا کو کچھ اچنبھا سا ہوا، مولانا ظفر صاحب سے پوچھا آپ کون ہیں، انہوں نے میرا نام لیا تو خوشی سے اچھل پڑے، کھڑے ہوگئے، سینہ سے لگایا اور مجبور کیا کہ انہی کے ساتھ انہی کے ڈبہ میں سکنڈ کلاس میں سفر کروں میرا ٹکٹ بدلوایا اور اس وقت سے لیکر کاندھلہ تک برابر ڈیڑھ دو گھنٹے بڑے جوش و خروش سے کلام فرماتے رہے، ان کی زبان میں لکنت تھی، تقریر پر قادر نہ تھے، تقریر بھی الجھی ہوئی ہوتی تھی، مگر جوش و خروش کا سمندر ان موانع کے سارے خس و خاشاک کو بہائے لئے جاتا تھا تھوڑی گفتگو کے بعد۔

واہ ری تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا وہ بھی میرے دل میں ہے

جسمانی کمزوری اور ضعف سینہ کے باوجود ان کے پھیپھڑے ان کی پر زور تقریر اور پر جوش گفتگو کے تسلسل اور تواتر کے سبب ہر وقت اس طرح ابھرا بھرا کرتے تھے کہ مجھے تو ڈر لگتا کہ کہیں یہ پھٹ نہ جائیں، گلے کی رگیں جو بار بار پھول پھول جاتی تھیں وہ نہ پھٹ جائیں، یہ سب بھی گرد ریائی روانی میں ہر خطرہ سے بے خبر اور ہر افتاد سے بے پروا تھا۔

مولانا نے اس اثنا میں جو کچھ فرمایا، میں نے اپنی استعداد کے مطابق اس کو پوری طرح سمجھ لیا، اتنے میں کاندھلہ آیا، اور وہ اتر گئے مگر مجھ سے یہ وعدہ لے لیا کہ کل رات کو دہلی میں پھاٹک حبش خاں میں ان کا تبلیغی جلسہ ہے، میں اس میں شرکت کروں چنانچہ شریک بھی ہوا، اور تقریر بھی کی اور مولانا نے اس کی تصدیق و تصویب بھی فرمائی۔

میں اس سفر سے لوٹ کر جب لکھنؤ آیا تو مولانا کے اہل تبلیغ مجاہدوں کی آمد لکھنؤ میں شروع ہو چکی تھی، اور ندوہ کی مسجد میں ان کا قیام تھا، اللہ اللہ کیا سادگی کی شان پائی، سادہ، بے تکلف، بری، شب زندہ دار، تہجد گذار، پچھلے پہر ذکر و فکر میں مصروف، صبح کی نماز پڑھ کر اپنے کام کے لئے مستعد اور تیار۔

ایک دو روز کے بعد مولانا تابع اپنے دوسرے رفقاء کے آئے اور ندوہ کے مہمان خانہ میں ساتھ ہی قیام فرمایا اور تقریباً ایک ہفتہ تک دن رات ساتھ رہا، ہر گفتگو میں شریک اور ہر مجلس میں رفیق، جیسے جیسے ملتا جاتا تھا، ان کی تاثیر بڑھتی جاتی تھی، مولانا کی تقریر گو الجھی ہوئی اور بیان ژولیدہ بدستور تھا، مگر میں نے دیکھا کہ جو آیا وہ اثر سے خالی نہ گیا۔ ؎

ادھر کہتا گیا وہ اور ادھر آ گیا دل میں
اثر یہ ہو نہیں سکتا کبھی دعوائے باطل میں

لکھنؤ میں کئی جلسے ہوئے اور بار بار تقریریں ہوئی، لوگوں نے مطلب سمجھا شرکت پر آمادہ ہوئے، کام کا آغاز ہوا وہاں کے مبلغین لکھنؤ کے کوچہ کوچہ میں پھرے اور مسلمانوں کو کلمہ اور نماز کی تلقین کی، ایک ہفتہ کے بعد کانپور کا جانب کوچ ہوا، وہیں دو تین روز قیام رہا، خاکسار بھی ساتھ تھا، یہاں ہر وقت ان کی صحبت اٹھائی، ان کی تقریریں سنیں۔ ان کے کام کو جانچا، ان کی دھن کو دیکھا، ہر وقت مسلمانوں کی اصلاح، دین کی سربلندی اور اعلائے کلمہ کے لئے درگاہ الٰہی میں دستِ نیاز دراز، آنکھیں پُرنم، آواز دلگیر۔

زیادہ دیکھنے والوں اور بار بار ملنے والوں کو تو خدا جانے کیا کیا ادائیں پسند ہونگی لیکن مجھے اس تھوڑی سی ملاقات میں ان کی تین ادائیں بہت پسند آئیں، صبح کی نماز کے بعد مقتدیوں کے رخ بیٹھ کر وہ کام کرنے والوں کو دن کا کام سمجھاتے تھے اور بار ہا ان کی کامیابی کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعائیں فرماتے تھے، ان دعاؤں میں لفظ اللہ ان کے دل کی گہرائی سے نکل کر دوسروں کے دلوں کی گہرائی میں گھر کر لیتا تھا، ہر جمع از دل خیز د بر دل ریزد، مختلف اوقات میں ان کی زبان سے کسی قدر آواز میں یہ دعائے ماثورہ یا حی یا قیوم۔

برحمتک استغیث اصلح لی شانی کلہ ولا تکلنی الی نفسی طرفۃ عین (اے حی و قیوم خدا میں تیری رحمت سے چاہتا ہوں کہ تو میری فریاد کو سن تو میری حالت کی درستی فرمادے اور ایک لمحہ کے لئے بھی مجھے میرے نفس پر نہ چھوڑ) نکلتی تھی اور ان کے فقر و ابتہال الی اللہ کی کیفیت کو ظاہر کرتی تھی، وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ رہتے تھے اور ان میں کسی قسم کا امتیاز نہیں چاہتے تھے وہ لکھنؤ سے کانپور اپنے ہمراہیوں کے ساتھ تھرڈ کلاس میں سوار تھے۔ ان کے بعض معتقد فرسٹ کلاس میں سوار تھے، بھیڑ کا یہ عالم تھا کہ تھرڈ میں تو ہلنا، بلکہ اپنی جگہ سے نکلنا مشکل تھا، سکنڈ میں بیٹھنے کی جگہ تھی مگر اندر جانے کی جگہ نہ تھی، فرسٹ میں گنجائش تھی ہر اسٹیشن پر کوشش کی گئی کہ مولانا نکل کر فرسٹ میں آجائیں مگر منظور نہیں فرمایا، آخر کانپور کے قریب پہنچ کر ظہر کی نماز اور کسی ضرورت کی بنا پر اس درجہ میں داخل ہوئے۔

لکھنؤ کے قیام میں ایک دفعہ ایک دوست کے ہاں عصر کے وقت چائے کی دعوت تھی، پاس کوئی مسجد نہ تھی ان کی کوٹھی ہی میں نماز باجماعت کا سامان ہوا خود کھڑے ہوکر اذان دی اذان کے بعد مجھ سے ارشاد ہوا کہ نماز پڑھاؤ، میں نے معذرت کی تو نماز پڑھائی نماز کے بعد مقتدیوں کی طرف رخ کرکے فرمایا بھائیو! میں ایک بلا میں گرفتار ہوں، دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس سے نکالیں، جب سے میں یہ دعوت لے کر کھڑا ہوا ہوں لوگ مجھ سے محبت کرنے لگے ہیں مجھے یہ خطرہ ہونے لگا ہے کہ مجھ میں عجب نہ پیدا ہو جائے، میں بھی اپنے کو بزرگ نہ سمجھنے لگوں، میں ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ مجھے اس ابتلاء سے بسلامت نکالیں، آپ بھی میرے حق میں دعا فرمائیں۔

مجھے کبھی بستی نظام جانے اور ان کی مسجد میں قیام کرنے کا اتفاق نہیں ہوا مگر جانے والوں سے سنا کہ پچھلے پہر رات کا سماں بڑا موثر ہوتا تھا، دن کے سپاہی رات کے راہب بن جاتے تھے۔

(بقیہ صفحہ ۱۴ پر)

پروپگنڈہ کا دور

مولانا محمد واضح رشید ندوی ایڈیٹر "الرائد" واستاذ ادب عربی۔ ترجمہ: مشہود احمد آمانی

موجودہ دور کو بہت سے نام دیئے گئے ہیں سائنس وٹکنالوجی کا دور، علم وتحقیق کا دور، جمہوریت کا دور، مگر پروپگنڈہ کے دور سے اس کی جتنی صحیح عکاسی ہوتی ہے، کسی دوسرے لفظ سے ممکن نہیں۔ خصوصاً تحریکات نظریات اور سیاسی پارٹیوں کے حق میں تو پروپگنڈہ ایسا ہتھیار ہے جس کا نشانہ کبھی خطا نہیں کرتا اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ تنظیمیں اور تحریکیں دوسرے وسائل وذرائع اختیار نہیں کرتیں اور صرف اسی پر بس کرتی ہیں۔ بلکہ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ کسی تحریک وتنظیم کی تائید وحمایت یا مخالفت وعداوت میں پروپگنڈہ جتنا اہم رول ادا کرتا ہے کسی دوسرے ذریعے سے اسکا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

پروپگنڈہ کے مختلف طریقے ہیں۔ لیکن سب سے کامیاب وکارگر وہ پروپگنڈہ ہے جو اخبارات ورسائل میں اہل قلم اور صحافیوں کے ذریعہ ہوتا ہے۔ قلم وصحافت موجودہ دور میں ایک نفع بخش تجارت ہے یہ نہ تو کسی عقیدہ نظریہ کے پابند ہوتے ہیں نہ کسی اصول وقانون کے۔ انکا دین ومذہب مادی نفع ہے یہ اس کی پرستش کرتے ہیں اور ان کی پیشانیاں اسی کے سامنے جھکتی ہیں۔ یہ طبقہ بڑی بے چینی سے اس کا منتظر رہتا ہے کہ مختلف جماعتوں اور پارٹیوں کے درمیان اختلاف رونما ہو لوگ آپس میں دست وگریباں ہوں بلکہ کبھی تو یہ لوگ خود ہی آگے بڑھ کر ایک کو دوسرے کے خلاف صف آرا کردیتے ہیں۔ اس کے بعد انکی اور انکے قلم کسی ایک گروہ کی حمایت وتائید اور دوسرے کی مخالفت ودشمنی کیلئے وقف ہوجاتے ہیں۔ انکا کسی ایک گروہ کا ساتھ دینا اس پر منحصر ہوتا ہے کہ ان دونوں میں کون زیادہ قیمت ادا کرتا ہے۔

موجودہ دور میں زبان وقلم سے وہ کام لیا جارہا ہے جو ماضی میں تیغ وتفنگ اور تیر وکمان سے بھی نہیں لیا جاسکا۔ کون نہیں جانتا کہ تلوار تن مردہ میں روح پھونکنے اور آتش غیرت وحمیت پر تیل چھڑکنے کا کام کرتی تھی جس کے نتیجہ میں کمزور قومیں بھی مقابلے کیلئے اٹھ کھڑی ہوتی تھیں۔ جبکہ زبان وقلم کا مارا انسان زبان سے بھی محروم ہوجاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اس زمانے میں تمام تحریکوں اور تنظیموں کی بنیاد پروپگنڈہ پر ہے ہر تنظیم یا تحریک کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ اس کے پاس ایسے افراد ہوں جو پروپگنڈہ کے فن سے پوری طرح واقف ہوں۔ ایسے اخبارات ورسائل ان کے قبضہ میں ہوں جن کے صفحات اور اداریے اس کی تائید وحمایت، اور دوسروں کی مخالفت یا عداوت کے لئے وقف ہوں۔ ایسے صحافی ہوں جن کے قلم انکے اشاروں پر رقص کرتے ہوں۔

قوم وملک کی بہتری وفلاح اور اس کے مستقبل کے بارے میں سوچنے فکر کرنے اور امن وامان اور صلح وآشتی کی فضا قائم کرنے کی نہ ان کو فرصت ہے اور نہ ہی اس کی فکر ہے اپنے وجود کو منوانے اور لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرانے کیلئے اس زمانے کی تنظیمیں اور تحریکیں پروپگنڈہ کے علاوہ جن وسائل وذرائع سے کام لیتی ہیں ان میں دو بہت معروف ہیں — وہ ہیں اغوا اور قتل۔ اغوا کی معروف شکل تو یہ ہے کہ اچانک کسی کو غائب کردیا جائے۔ راستہ سے اچک لیا جائے، لیکن اس کی ایک دوسری شکل بھی ہے جو پہلے سے زیادہ سنگین اور خطرناک ہے وہ یہ ہے کہ انسان مال ودولت کی لالچ یا جان کے ڈر سے یا جدید اصطلاح میں "برین واش" کے ذریعہ ایک نظریہ وعقیدہ کو چھوڑ کر کسی دوسرے نظریے کو اختیار کرے اور اس کی بھی اسی طرح تائید وحمایت اور اس کے لئے بھی ویسے ہی جوش وخروش کا مظاہرہ کرنے لگے جس طرح پہلے نظریہ کیلئے کرتا تھا۔ اس قلب ماہیت اور فکری انقلاب کا نشانہ بے اصول اور لالچی انسان کو آسانی بنایا جاسکتا ہے۔

اغوا کی طرح قتل کی بھی دو قسمیں ہیں جسمانی اور سیاسی، سیاسی قتل، یہ ہے کہ کسی مقبول ومعروف شخصیت کو اس طرح داغدار اور مجروح کردیا جائے کہ اس کی شہرت ومقبولیت کا آفتاب بدنامیوں اور ناکردہ گناہوں کے بادلوں میں چھپ جائے۔

کبھی تو یہ عمل اسی چابکدستی اور ہوشیاری سے انجام دیا جاتا ہے کہ اس شخصیت کو بھی اس کا احساس نہیں ہوتا مثلاً اسے کوئی بڑا منصب دیدیا یا پارلیمنٹ کا ممبر منتخب کردیا یا کسی شعبہ یا ادارہ کا ذمہ دار بنادیا۔ وغیرہ۔ اس کا افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ اغوا اور قتل کے شکار زیادہ تر وہ لوگ ہوتے ہیں۔ جو کسی فکر ونظریہ کے حامل ہوتے ہیں اور اس پر انکا یقین ہوتا ہے لیکن بعض لوگ کسی فکر ونظریہ پر یقین نہیں رکھتے بلکہ انکے افکار وخیالات دنیاوی مصلحتوں اور مادی منافع کے تابع ہوتے ہیں۔ آپ دیکھیں گے کل جس کی تعریف ہورہی تھی آج اسی کی مذمت ہورہی ہے کل کے جگری دوست آج کے جانی دشمن بیشتر ان کو اگر فکر ہوتی ہے تو مال ودولت سمیٹنے کی نفع اندوزی کی، یہ اپنے ایجنٹوں اور دلالوں کے ذریعہ اپنے ایک کالم اور ایک اداریے سے لاکھوں وصول کرتے ہیں۔

غرض کہ آج کے دور میں علم وتحقیق زبان وقلم اور تقریر وصحافت سب ذرائع آمدنی ہیں۔ یہ رجحان اگر مادہ پرستوں سیاسی لیڈروں اور آزاد خیال لوگوں میں پایا جائے تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ ان سے اس کے سوا کسی اور چیز کی توقع نہیں کی جاسکتی ہے۔ البتہ تعجب اس وقت ہوتا ہے۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ ہماری دینی وملی تحریکوں تنظیموں اور دعوتوں کے ذمہ داروں اور ماننے والوں میں بھی یہ بیماری سرایت کررہی ہے۔ یہ بھی اب پروپگنڈہ کا سہارا لینے لگے ہیں۔ اب انکے دربار میں بھی اغوا اور قتل جیسے ناپاک جرائم راہ پارہے ہیں۔ مخالف شخصیتوں کی عزت ووقار کو مجروح کرنا اب ان کا بھی شیوہ بنتا جارہا ہے۔

یہ کیسا انقلاب ہے کہ اہل دنیا اور مادہ پرستوں کی طرح دعوتوں اور تحریکوں کے ماننے والے جائز ناجائز ہر قسم کے ذرائع وسائل سے کام لینے لگے ہیں۔ اس طرز فکر سے مثبت نتائج کی توقع نہیں رکھنی چاہیئے اور نہ ہی اس پر کسی دینی دعوت اور اصلاحی تحریک کی بنیاد رکھی جاسکتی ہے۔ کیونکہ دعوت وتحریک جن اغراض ومقاصد کے تحت قائم کی جاتی ہے اس کی کامیابی اس پر موقوف ہے کہ کہاں تک وہ کتاب وسنت اور اسلامی روح سے ہم آہنگ اور متفق ہیں۔ اسلامی نقطۂ نظر کے مطابق یہ ضروری ہے کہ مقاصد کے ساتھ ساتھ وسائل وذرائع بھی صالح اور نیک ہوں۔ اسلام اس کی ہرگز اجازت نہیں دیتا ہے کہ کسی مقصد کے حصول کے لئے ایسے وسائل وذرائع اپنائے جائیں جو دین اخلاق اور تہذیب وشرافت کے معیار پر پورے نہ اترتے ہوں اور پھر اس طریقہ کا المیہ یہ ہے کہ یہ اپنے ساتھ بے شمار ایسی برائیاں رکھتا ہے جو اسلامی تعلیمات اور تہذیب وشرافت کے سراسر منافی اور [illegible] ہیں۔ یہ امت کا شیرازہ منتشر کرکے اتحاد واتفاق کا جنازہ نکال دیتا ہے۔ دلوں میں بغض وحسد کا بیج بوتا ہے۔ جماعتوں اور تنظیموں اور اس کے ماننے والوں کے درمیان فاصلے بڑھاتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اسکی قیادت سے لوگوں کا اعتماد اٹھ جاتا ہے۔ دلوں میں اس کے بارے میں طرح طرح کے شکوک وشبہات پیدا ہوجاتے ہیں اور پھر دعوت وتحریک بے اثر ہوکر رہ جاتی ہے۔

ادھر کچھ دنوں سے یہ رجحان بڑی تیزی کے ساتھ فروغ پارہا ہے۔ یہ بڑی تشویشناک بات ہے کہ جن تحریکوں اور جماعتوں کا بنیادی مقصد زمانے کو اپنے ساتھ چلانا تھا وہ خود ہی دوسروں کی تقلید واتباع کرنے لگیں۔ جن کا کام ہوا کے رخ کو پھیرنا تھا وہ خود ہوا کے رخ پر چل پڑیں۔

مادی اور دنیاوی تحریکوں اور تنظیموں کی طرح ہمارا بھی یہ مزاج بن گیا ہے جو ہمارے فکر ونظریے سے متفق نہ ہو ہر طرح سے اس کی مخالفت کی جائے اس کی خوبیوں سے محض اس وجہ سے انکار کیا جائے کہ وہ ہمارا مخالف ہے۔

اسلامی مزاج وروح سے اس کا کیا تعلق۔ اسلامی تحریکات کا تعلق اللہ کی رضامندی اور اخلاص اور سلف صالح کی طریقہ کار کی اتباع سے ہے۔ جبکہ سیاسی تحریکات کا انحصار مادہ پرستی اور لوگوں کی نظروں میں شہرت اور نام ونمود ہے۔

مومن کی نگاہ کامیابی وناکامی اور لوگوں کی پسندیدگی وناپسندیدگی کے بجائے اللہ کی رضا وخوشنودی پر ہوتی ہے۔

ضرورت ہے

کالجوں میں دینیات پڑھانے کیلئے فاضل استاذوں کی ضرورت ہے۔ انگریزی جاننے والوں کو ترجیح دی جائے گی۔ تنخواہ اور دیگر تفصیلات خط وکتابت سے طے کی جائے۔

ناظم دینیات

انجمن حامی مسلمین بھٹکل

حلاوت قرآن

(دوسری اور آخری قسط)

بقیۃ السلف حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاب گڈھی

بندگی اور غلامی یہی ہے کہ بندہ غلام بن کر رہے اور اللہ کی مرضی میں اپنے کو فنا کردے، اوامر کی پابندی کرے اور نواہی سے اجتناب کرے اور ہر وقت اللہ کے راضی کرنے کی فکر کرے، یقین جانیے کہ جو اللہ کی بندگی میں لگ جاتا ہے اور فرماں بردار بن جاتا ہے اور اللہ سے ڈرنے لگتا ہے اور اللہ کی محبت پا جاتا ہے اس کا کچھ اور ہی عالم ہوجاتا ہے پھر وہ دنیا ہی میں جنت کا مزہ پانے لگتا ہے۔ چنانچہ اسی بناء پر بزرگان دین فرماتے ہیں کہ ہماری جنت ہمارے سینے کے اندر ہے۔ اگر لوگ چھیننا چاہیں تو چھین نہیں سکتے۔ آپ سے سچ کہتا ہوں کہ اللہ اللہ کرنے سے اور اللہ کا نام لینے سے عجیب کیف، عجیب لذت، عجیب حلاوت اور عجیب سرور حاصل ہوتا ہے۔

جب بندہ گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ظلمت اور تاریکی پیدا ہوجاتی ہے اور جب طاعت کرتا ہے، اللہ کا نام لیتا ہے، اللہ کی کتاب پڑھتا ہے، نماز پڑھتا ہے تو قلب میں ایک نور پیدا ہوتا ہے۔ مگر ہمیں ان سب کی ذرا بھی فکر نہیں۔ نہ تو نور کی خبر ہے نہ ظلمت کی اور ہم کو نہ جہنم کا خیال ہے نہ جنت کا۔ بس بے فکری کی زندگی گذار رہے ہیں۔ مومن کی شان یہ نہیں ہوتی کیونکہ مومن کے پیش نظر ہر وقت یہ رہتا ہے کہ ہمیں اللہ کے سامنے جانا ہے اور وہ اسی فکر میں رہتا ہے کہ اللہ کو کس طرح راضی کرے۔ اس لیے اس کو دوسروں کی کوئی فکر نہیں ہوتی۔ اگر ہم نے بھی اپنے اندر وہ فکر پیدا کرلیا تو سمجھ لیجئے کہ ہمارے سارے افکار دور ہوجائیں گے اسی فکر کے بارے میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہورہا ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ۔ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیساکہ ڈرنے کا حق ہے اور مت مرو مگر مسلم فرماں بردار ہوکر۔

مسلمان اس کو کہتے ہیں جو گردن جھکادینے والا، فرماں برداری کرنے والا چوں وچرا کو چھوڑ دینے والا ہو، اور یہ وصف اسی وقت حاصل ہوسکتا ہے جب دل میں اللہ کا خوف اور اس کی محبت ہو، ہم لوگ تو محبت کی حقیقت بھی نہیں جانتے۔ یا دعوی کرنے کو ہر شخص تیار ہے۔ جانتے ہو محبت کسے کہتے ہیں؟ محبت نام ہے فنا فی المحبوب ہوجانے کا یعنی اللہ کی مرضی میں فانی ہو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں فانی ہو، اپنی رائے کو، اپنی چاہت کو، اپنی تجویز کو، اپنی پسند کو فنا کردے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں مومن کا یہی مقام ہے۔ اسی مضمون کا اپنا ہی ایک شعر اس وقت یاد پڑا ہے

نظر ان کی نظر اپنی پسند ان کی پسند اپنی
نظر اپنی پسند اپنی نہیں ہوتی محبت میں

مومن کی نظر ہر وقت محبوب پر ہوتی ہے اور وہ اسی کی نگاہ کو دیکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کس چیز سے راضی ہوں گے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کس چیز سے خوش ہوں گے۔ لیکن ہم نے تو اپنی زندگی کو من مانی زندگی بنالیا ہے۔ ہم کو چاہیے کہ اپنی زندگی میں تبدیلی لائیں اور من مانی زندگی کو چھوڑدیں، فرماں بردار بن جائیں۔ جانتے ہو من مانی زندگی کیوں بن جاتی ہے؟ محبت کو ہم جانتے ہی نہیں محبت کیا چیز ہے ؎

سمجھتا ہے کہ کیوں جاتی نہیں ہے تیری من مانی
محبت کی حقیقت ہی ابھی تو نے نہیں جانی

جب آدمی توحید کا جام پی کر مست ہوجاتا ہے تب محبت کی حقیقت اس پر منکشف ہوتی ہے اور مقام رسالت کی معرفت ہوتی ہے یہی وہ جام ہے جس کو صحابہ کرامؓ نے حضور اقدس، ساقی کوثر صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک سے پیا، تابعینؒ نے پیا، اولیائے کرامؒ نے پیا ان سب کو مقام رسالت کی معرفت حاصل تھی ؎

اس کو مل ہی نہیں سکتا کبھی توحید کا جام
جس کی نظروں سے ہے پوشیدہ رسالت کا مقام

یاد رکھیے! محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور ان کا اتباع اتنی بڑی دولت ہے کہ بندہ اس کی وجہ سے اللہ کا محبوب اور اللہ کا دوست بن جاتا ہے اور اس دار دنیا میں اس سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں کہ بندہ اللہ کا محبوب اور دوست بن جائے۔ صحابہ کرامؓ نے سب کچھ قربان کرکے اللہ کی اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو حاصل کیا تھا پھر وہ اللہ سے راضی ہوگئے اور اللہ ان سے راضی ہوگیا رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ لیکن اس کے باوجود وہ ڈرتے رہتے تھے اور ہم بڑے سے بڑا گناہ کرکے اللہ ورسولؐ کی نافرمانی کرکے پیٹ بھر کھاتے ہیں اور چین کی نیند سوتے ہیں اور ہنستے بولتے ہیں، ہمارے اسلاف ایسے نہیں تھے۔ آیئے ہم آپ کو بتلائیں کہ ہمارے اسلاف کیسے تھے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بارے میں آپ جانتے ہیں کہ تمام اہل سنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ افضل البشر بعد الانبیاء بالتحقیق سیدنا ابوبکر الصدیقؓ ہیں۔ ایک دفعہ صحابہؓ آپس میں کچھ گفتگو کررہے تھے کہ اتنے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے، اور دریافت فرمایا کہ تم کیا کررہے تھے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ ہم آپس میں ایک دوسرے کی فضیلت کے بارے میں گفتگو کررہے تھے۔ آپؐ نے فرمایا کہ اگر ایسا ہے تو یاد رکھو خبردار ابوبکرؓ پر کسی کو فضیلت مت دینا اس لیے کہ آفتاب نے کسی ایسے شخص پر طلوع نہیں کیا جو نبیؐ کے بعد ابوبکر سے افضل ہو۔

یعنی صدیق اکبرؓ کی یہ شان ہے کہ تمام عالم میں نبی کے بعد سب سے افضل ہیں اور ان کی یہ حالت ہے کہ کہیں جارہے تھے، راستے میں دیکھا کہ ایک درخت پر کچھ چڑیاں چہچہا رہی تھیں آپ نے ان کو دیکھ کر ایک ٹھنڈی سانس لی اور فرمایا کہ تم بہت مزے میں ہو، تمہارے لیے نہ ثواب وعذاب، حساب وکتاب کچھ نہیں ہے۔

اسی طرح فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو دیکھیے جن کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتے اور جن کی رائے کے مطابق کلام پاک کی آیتیں نازل ہوئی تھیں ان کا حال یہ ہے کہ جب نماز میں کھڑے ہوتے تو غلبۂ خوف سے روتے تھے۔ قرآن پاک پڑھتے اور سنتے تھے تو عجیب کیفیت ہوجاتی تھی۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ جبکہ رات کو پہرہ دے رہے تھے، رات کے آخری حصہ میں ایک بڑھیا کے مکان کی طرف سے گذرے، سویرا ہورہا تھا۔ اس بڑھیا نے اپنی لڑکی سے کہا کہ بیٹی دودھ میں پانی ملادے۔ لڑکی نے جواب دیا کہ اماں تمھیں نہیں معلوم ہمارے امیر نے دودھ میں پانی ملانے سے منع فرمایا ہے۔ اس نے کہا اس وقت امیر المومنین کہاں ہیں اور یہاں کون دیکھتا ہے؟ ذرا غور فرمائیے لڑکی کیا جواب دیتی ہے یہی اس واقعہ کی روح ہے، وہ کہتی ہے کہ اگر فاروق اعظم نہیں دیکھ رہے ہے تو اللہ تعالیٰ تو دیکھ رہا ہے، اور یہ تو بہت برا ہے کہ ہم امیر المومنین کی اطاعت ظاہر میں کریں اور باطن میں ان کی مخالفت کریں۔ حضرت عمر کو لڑکی کا یہ جواب بہت پسند آیا۔ اس مکان میں ایک نشان لگادیا اور صبح کو اس کا پتہ لگا کر بڑھیا کو اپنے پاس بلایا اور اس سے فرمایا کہ تم اپنی لڑکی کی شادی میرے لڑکے سے کردو۔ پھر اسی لڑکی کی اولاد میں عمر بن عبدالعزیزؒ جیسی شخصیت پیدا ہوئی جن کا دور خلافت راشدہ کے منوال پر سمجھا جاتا ہے اور عمر ثانی کہلاتے ہیں۔ سمجھئے یہ ہے تقوی اور یہ ہے اللہ کا خوف جس کا نمونہ اس لڑکی نے پیش کیا۔

صحابہؓ کے قلوب میں اللہ کا خوف اور اللہ کی یاد اس طرح سماگئی تھی کہ ان کا ہر قدم اللہ کی مرضی کے مطابق اٹھتا تھا اور وہ ہر وقت اپنے کو خدا کے سامنے دیکھتے تھے۔ ان کو کسی وقت خدا کے حضور سے غفلت نہ ہوتی تھی۔ اور یہی زندگی کی روح ہے۔ اسی کیفیت کا بیان اس حدیث میں کیا گیا ہے کہ: ان تعبد اللّٰہ کانک تراہ وان لم تکن تراہ فانہ یراک۔ یعنی نماز میں عبادت میں، بلکہ اپنے ہر امر میں یہ خیال رکھنا کہ اللہ تعالیٰ کو ہم دیکھ رہے ہیں یا اللہ تعالیٰ ہم کو دیکھ رہے ہیں اور ہمارے ساتھ ہیں۔ اللہ کی معیت بہت بڑی نعمت ہے اور یہ معیت اللہ کی طرف سے تو حاصل ہے ہی مگر ہم کو اس معیت کا احساس اور استحضار ہونا چاہیے اسی سے اللہ والوں کو اطمینان اور سکون ہوتا ہے اور اپنی خلوت وجلوت میں اسی سے محظوظ ہوتے ہیں اور اسی سے وہ صحرا میں بھی گلشن کا مزہ پاتے ہیں ؎

معیت گر نہ ہو تیری تو گھبراؤں گلستاں میں
رہے تو ساتھ تو صحرا میں گلشن کا مزہ پاؤں

اگر ہم ہر وقت یہ استحضار رکھیں کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے اور ہم کو دیکھ رہا ہے تو پھر ہم سے نہ تو نافرمانی سرزد ہو (بقیہ [illegible] پر)

سید احمد شہیدؒ کی تفسیر سورۂ فاتحہ اور اس کا اسلوب

ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر ندوی
ادارہ علوم اسلامیہ
مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

[یہ مقالہ دار العلوم ندوۃ العلماء میں رابطۂ ادب اسلامی ہند کے تحت "سید احمد شہیدؒ کی تحریک کے اثرات اردو زبان و ادب پر" کے موضوع پر ۱۱، ۱۲، نومبر ۱۹۸۸ء کو سمینار میں پڑھا گیا، مقالہ کی معلومات و افادیت کے پیش نظر ہم سے ہدیۂ ناظرین کر رہے ہیں]

ادارہ

حضرت سید احمد شہیدؒ (۶ر صفر ۱۲۰۱ھ/ ۲۸ر نومبر ۱۷۸۶ء تا ۲۴ر ذوقعدہ ۱۲۴۶ھ/ ۶ر مئی ۱۸۳۱ء) کے نامور سوانح نگاروں اور ان کی تحریک کا جائزہ لینے والوں نے ان کی تصانیف کے ضمن میں کسی اردو رسالے یا کتابچے کا ذکر نہیں کیا ہے۔ صرف مولانا محمد عبد الحلیم چشتی نے اس اہم موضوع پر اپنے دو مضامین میں روشنی ڈالی ہے اور یہ دونوں مضامین اس اعتبار سے بہت اہم ہیں کہ وہ حضرت سید احمد بریلوی کے دو اردو کتابچوں حقیقت الصلوٰۃ اور تفسیر سورۂ فاتحہ کو پہلی بار روشناس خلق کرتے ہیں۔ تعجب کی بات ہے کہ یہ دونوں رسالے کلکتہ سے ۱۲۳۶ھ میں مولوی بدر علی کے چھاپے خانے میں طبع ہو کر شائع ہو چکے تھے۔ مگر وہ عام اہل علم کی نگاہ سے اوجھل رہے۔ اس سے زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ مولانا چشتی موصوف کے مذکورہ بالا مضامین کو عام طور سے درخور اعتنا نہیں سمجھا گیا اور غالباً یہی سبب ہے کہ جدید مطبوعات و مضامین میں بھی سید احمد شہیدؒ کے ان اردو رسالوں کا کوئی ذکر یا حوالہ نہیں ملتا۔ سید صاحب کے ان دونوں رسالوں کی زبان و اسلوب کے لحاظ سے بھی اہمیت ہے اور فکر و نظر کے اعتبار سے بھی۔

ایسا نہیں ہے کہ حضرت سید احمد شہیدؒ سورۂ فاتحہ یا بعض دوسری سورتوں کے اولین مترجم تھے یا ان کی تفسیر سب سے قدیم ہے اولیت و سبقت کا شرف تو حضرت شاہ عبد القادر دہلوی کو بھی حاصل نہیں ہے جو عام طور سے ان کے سر باندھا جاتا ہے۔ بلکہ تاریخ کی شہادت تو کسی گمنام بندۂ خدا کے حق میں جاتی ہے جس نے رضائے الٰہی کی خاطر پہلی بار اس برصغیر میں زبان عوام اردو/ہندی میں قرآن کریم یا اس کی سورتوں کا ترجمہ و تفسیر کی تھی۔ ہماری موجودہ معلومات کے مطابق یہ سلسلۂ زریں سرزمین ہند میں پہلے اسلامی قدم کے ساتھ شروع ہوا تھا کیونکہ پیغام الٰہی کا تقاضا بھی یہی تھا اور تشنگان علم و معرفت کی طلب بھی یہی تھی کسی ہندوستانی زبان میں ترجمہ و تفسیر قرآن کریم کا پہلا تاریخی ثبوت (۲۷۰ھ/ ۸۸۳ء) سے متعلق ملتا ہے جب کشمیر کے راجہ مہروک کے لئے ایک گمنام عالم نے ترجمہ و تفسیر کی خدمت انجام دی تھی۔ امکان اس سے پہلے بھی ترجمہ قرآن ہونے کا ہے مگر اس کے بعد تو ہندوستانی زبان میں تراجم و تفاسیر قرآن کا ایک اٹوٹ سلسلہ نظر آتا ہے۔ محققین نے اٹھارہویں صدی عیسوی سے پہلے کے کم از کم تراجم و تفاسیر اور متعدد جزوی ترجمے تلاش کئے ہیں حضرت شاہ عبد القادر دہلوی کے ترجمہ و تفسیر سے قبل کے متعدد ترجموں اور تفسیروں کا پتہ چلا ہے اور اب ان کے مخطوطات ملک کی مختلف لائبریریوں میں دستیاب ہیں۔ سید احمد شہید بھی اسی سلسلہ زریں کی ایک اہم کڑی ہیں جو اپنے پیشرؤوں اور جانشینوں سے زمان و مکان کے دو سروں پر جڑے ہوئے ہیں اور ان کے ترجمہ و تفسیر سورۂ فاتحہ کی اہمیت و مقام کا اسی وقت اندازہ ہو سکتا ہے کہ جبکہ فکر و زبان، اسلوب و ادا کے لحاظ سے متقدمین اور متاخرین علما اور مفسرین کے کام سے اس کا موازنہ و مقابلہ کیا جائے۔

تذکرہ نگاروں کے مطابق حضرت سید احمد شہید نے سورۂ فاتحہ کی تفسیر و ترجمانی غالباً سب سے پہلے ۱۲۳۵ھ میں لکھنؤ میں بعض جید علماء کرام کی موجودگی میں کی تھی اور اس سے وہ بہت متاثر ہوئے تھے اس کی شہادت مولانا محمد اشرف بن نعمت اللہ لکھنوی (متوفی ۱۲۴۴ھ) نے بھی دی ہے مولانا محمد عبد الحلیم چشتی نے اس ضمن میں حضرت سید شہید کی تفسیر کی جو خصوصیات بیان کی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ "یہ تفسیر اپنی سلاست اور روانی میں شاہ عبد القادر کی موضح القرآن کے بعد اردو زبان میں دوسری کوشش ہے۔ جس طرح شاہ دہلوی نے ایجاز سے کام لیا ہے اس طرح سید شہید نے بھی ایجاز سے کام لیا ہے۔ یہ ترجمہ و تفسیر ریختہ یا اردوئے معلیٰ کے بجائے ہندی یا عوامی زبان میں ہے "سید شہید نے بول چال کی زبان استعمال کی ہے اور روزمرہ کو نہیں چھوڑا ہے۔ یہ تفسیر موضوع اور انداز بیان دونوں اعتبار سے اہمیت رکھتی ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عوام کو دینی باتوں کے سمجھانے کے لئے عام فہم سلیس اور ٹھیٹ اردو میں مختصر رسالے لکھنے کی داغ بیل سب سے پہلے سید احمد شہید ہی نے ڈالی تھی جس کو ان کے خلفاء اور مریدان با اخلاص نے پروان چڑھایا۔ یہ تفسیر و ترجمہ نہ صرف سید شہید کے انداز بیان و طرز ادا کا پتہ دیتا ہے بلکہ ان پر شاہ عبد القادر دہلوی کا اثر فکر زبان و ادا بھی نشاندہی کرتا ہے۔ اور آخری بات یہ ہے کہ سید احمد شہید اور ان کے خلفائے نے جہاں اسلام کی صحیح ترجمانی کی ہے وہاں ان خاصان خدا نے اردو زبان کو بھی بڑی ترقی دی ہے۔"

سید احمد شہید نے بسم اللہ کے بعد سورۂ فاتحہ کی حقیقت سے آغاز کیا ہے اور اس کو دوسرے مفسرین کی مانند طریق دعا قرار دیا ہے مگر ان کی تعبیر و تشریح بڑی اچھوتی ہے اور ترجمہ بھی عمدہ غالباً سب سے بہتر ہے۔ مگر یہ دل چسپ اور اہم بات ہے کہ سید شہید نے نہ تو بسملہ کا ترجمہ کیا ہے اور نہ اس کی تشریح و تفسیر کی ہے۔ البتہ حقیقت الصلوٰۃ میں بسملہ کا ترجمہ یوں کیا ہے: "شروع اللہ کے نام سے جو مہربان ہے رحم والا ہے۔" مگر جہاں بھی اس کی تفسیر و تشریح نہیں فرمائی ہے بسملہ کے بعد وہ آغاز کلام یوں کرتے ہیں:

"اس سورے میں اللہ نے دعا کی طرح بتلائی اور اللہ کے بتلائے برابر کسی کا بتلایا نہیں ہوتا، اس واسطے یہ سورت بڑی بزرگی رکھتی ہے۔"

حضرت شاہ عبد القادر دہلوی موضح القرآن میں لکھتے ہیں "یہ سورت اللہ صاحب نے بندوں کی زبان سے فرمائی کہ اس طرح کہا کریں۔" شاہ صاحب نے اسی پر اقتصار کیا ہے اور مزید تشریح و تعبیر نہیں فرمائی، جبکہ سید شہید نے اپنی اس تفسیر میں سب سے زیادہ اسی غایت و مقصود پر بحث فرمائی ہے۔ سر سید احمد خاں نے آغاز کلام یوں کیا ہے کہ "اس سورۃ میں کچھ تو خدا کی تعریف ہے اور کچھ اپنی عاجزی اور کچھ دعا پس گویا بندوں کی زبان سے کہی گئی ہے اور بلاشبہ بندوں کو خدا سے اسی طرح التجا کرنی زیبا ہے" دعا جب دل سے کی جاتی ہے ہمیشہ مستجاب ہوتی ہے"۔ اس کے بعد سید مقصد دعا اور استجابت الٰہی کے مفہوم کی تشریح میں وادیٔ عقل میں چلے گئے ہیں اور ان کی عجیب و غریب تشریح و تفسیر کی ہے۔ ڈپٹی نذیر احمد صاحب نے بسملہ کی نحوی اور صرفی بحث چھیڑ دی ہے اور بقیہ سورت کی تفسیر بھی لغوی مباحث سے بھری ہوئی ہے۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے لکھا ہے کہ "یہ سورت رب العالمین نے اپنے بندوں کی زبان سے فرمائی کہ ان الفاظ میں اپنے خالق و رازق کے سامنے عرض دعا کیا کریں" اور پھر اسی کی مزید تفصیل و تشریح کی ہے۔ معاصر علماء میں مولانا ابو الکلام آزاد مولانا عبد الماجد دریابادی، مولانا ابو الاعلیٰ مودودی اور مولانا امین احسن اصلاحی اور بقیہ تمام مفسرین کرام نے کم و بیش یہی بات کہی ہے۔ لیکن جس خوبصورتی اور عمدگی کے ساتھ سید احمد شہید اس کی ترجمانی و تفسیر کرتے ہیں وہ ان کی زبان سے سننے کے لائق ہے:

"اور دعا میں دستور یوں ہے، ہر کوئی جانے ہے کہ باوجودیکہ سب آدمی محتاج بے مقدور ہیں پر سوال کرنے میں جو آدمی سخی کریم باہمت اور بامقدور ہوتا ہے اسی سے مانگتے ہیں۔ جتنا تفاوت آدمیوں میں اوصاف سے ہوتا ہے اتنا ہی سوال کرنے میں فرق پڑتا ہے جس میں سخاوت نہ ہو اس سے نہیں نکلے اور جو سخاوت ہو پر ترش روئی بھی ہو تو اس سے بھی مانگنے میں پرہیز کرتے ہیں اور جو ترش رو بھی نہ ہو بہت خلق ہو پر دینے کے پیچھے اترادئے، جتلا دے، منت رکھے اس سے بھی مانگنا اچھے آدمیوں کو سخت بھاری ہوتا ہے۔ اور جب بے مقدور ہو تو اس سے مانگنا ہی نہیں ہو سکتا۔ اور جتنے یہ اوصاف کمال پر ہوں اتنا مانگنا اس سے خوب ہوتا یہاں تک کہ مانگنا عزت ہو جاتا ہے اور سوال کرنے میں آدمی اول وہ صفتیں اور خوبیاں بیان کرتا ہے کہ جس سے سوال رد نہ ہو اور ایسا کہتا ہے کہ جس سے سوال کرے وہ بھی مان لے اور اقرار کرے کہ ہاں میں ایسا ہی ہوں اور تیرا کہنا سچ ہے، تو بھی دل کے اعتقاد سے کہتا ہے جب یہ سب ہو کر سوال ہوتا ہے تو ہرگز وہ سوال رد نہیں ہوتا بلکہ سوال کرنا واجب ضرور ہو جاتا ہے۔ ایسے سخی کریم اور اس سے ملنا بھی ایسا یقین ہوتا ہے جیسا اپنے ہات میں لے لیا۔ جب آدمی کا احوال معلوم کرے کہ آدمیوں میں ایسا ہو پھر اللہ کی ذات پاک کو کہ جس کی تمثیل نہیں ہو سکتی سمجھے اور مالک، خالق اور مخلوق کا فرق بوجھے کہ جب بندہ مخلوق ایسا ہو تو وہ مالک خالق کس درجے میں ان خوبیوں کے ہے۔ ان خوبیوں کے سچے دل سے سمجھ کر کہے ایسا کہ ادھر سے جواب پاوے۔ سچ یوں ہی ہے اور تیرا کہنا سچا ٹھیک ہے، پھر اس کے پیچھے سوال ضروری ہے اور انکار رد نہیں ہوتا، لابدی قبول ہوتا ہے۔ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے ہر کمال اس سورے میں اپنے بندوں کو تعلیم فرمایا تو کہ حضور دل سے سمجھ کر ایسا کہیں کہ جواب پاویں، اور سوال کریں اور ایسی صفتیں اللہ کی بیان کریں کہ دل میں تہ نشین ہو جاوے کہ ایسے اوصاف والے کی درگاہ میں ہرگز سوال رد نہیں ہوتا، ان وصفوں میں پہلے اَلْحَمْدُ لِلّٰہ ہے کہ جس کا مطلب یہ ہے کہ تمام خوبیاں اسی کی ہیں غیر کی نہیں۔ فی الحقیقت وہی ہے خوبیوں والا، اس میں سب خوبیاں آگئیں۔ پھر اس کے پیچھے کئی خاص وصفوں کو بیان کیا کہ جن سے بندے کے دل میں حضوری اور بڑی محبت چمک جاوے اور سوال کی تمہید جیسی چاہیے ویسی ہی دل میں مضبوط ہو۔ یہ اس کو ہے جو سمجھ کر کہے اور جو غفلت کرے وہ اس نعمت سے رہ جاوے۔ حاصل اتنا ہے کہ سوال مانگنا ایسا ہو کہ ضرور قبول ہو جاوے، خوبیوں کے بیان کرنے سے اور مالک کا اقرار سے کہ ہاں ایسا ہی ہوں جیسا تو کہتا ہے۔ کیا بڑا کرم اس کا ہے کہ اس نے آپ ہی بندوں کو سکھلا کر کہیں: اَلْحَمْدُ لِلّٰہ"

سید شہید اس کے بعد حمد والی آیت کا ترجمہ اور تفسیر بیان کرتے ہیں ۱۱۴۷ھ/ ۱۷۳۴ء میں سید بابا قادری بن سید شاہ محمد یوسف قادری نے اس کا ترجمہ کیا ہے: "تمام تعریفات ثابت ہے واسطے اللہ کے۔" شاہ عبد القادر دہلوی نے کیا ہے "سب تعریف اللہ کو ہے" سر سید نے "سب بڑائیاں خدا ہی کے لئے ہیں" کیا ہے جبکہ ان کا ایک معاصر حکیم محمد شریف خاں (متوفی ۱۲۲۲ھ/ ۱۸۰۷ء) نے یوں ترجمہ کیا ہے "جو تعریف کہ اول سے آخر تک موجود ہے لائق ہے واسطے اللہ کے۔" ڈپٹی نذیر احمد کے ترجمہ میں ہے "ہر طرح کی تعریف خدا ہی کو (سزاوار) ہے" معاصر مفسرین میں مولانا اشرف علی تھانوی نے "سب تعریفیں اللہ کو لائق ہیں" کیا ہے، جبکہ مولانا دریابادی نے مولانا تھانوی کی کسی قدر پیروی کی ہے اور مولانا آزاد نے ترجمہ کیا ہے: "ہر طرح کی ستائش اللہ ہی کے لئے ہیں۔" ان کے علاوہ دوسرے علماء میں مولانا مودودی نے، "تعریف اللہ ہی کے لئے ہے" اور مولانا اصلاحی نے "شکر کا سزاوار حقیقی اللہ ہے"۔ کیا ہے غرضکہ بیشتر مفسرین نے حمد کا ترجمہ تعریف کیا ہے کسی کسی نے ثنا، بڑائی وغیرہ بھی کیا ہے۔ سید احمد شہید نے غالباً سب سے پہلے لفظ حمد کو جوں کا توں قائم رکھتے ہوئے ترجمہ کیا: "سب حمد اللہ ہی کو ہے"۔ متقدمین و متاخرین میں بہت کم حضرات نے یہ ترجمہ کیا ہے۔ گلکرسٹ کی زیر نگرانی علماء کی ایک جماعت نے فورٹ ولیم کالج کلکتہ کے لئے جو ترجمہ قرآن ۱۲۱۹ھ/ ۱۸۰۴ء میں کیا تھا اس میں اس کا ترجمہ: "ہر ایک حمد خدا کیلئے ہے"۔ کیا گیا ہے۔ مولانا محمد احتشام الدین مراد آبادی نے ۱۳۰۳ھ/ ۱۸۸۵ء میں اسی طرح ترجمہ کیا ہے: "حمد کا مستحق فقط اللہ ہے۔"

سید شہید نے پھر حمد کی جو تشریح و تفسیر کی ہے وہ انوکھی ہے۔ فرماتے ہیں: "حمد کہتے ہیں نیکی اور تعریف خوب کرنے کو مسلمان آدمی جب اس کو کہیں تب چاہیے کہ اس کو تحقیق اسی طور پر سمجھ لیں اور اللہ کے سامنے اس مضمون کو کہ جسے منہ سے مجمل کہا ہے۔ مفصل سمجھیں اور دل میں یقین لا کر اللہ کے حضور اس مفصل کو اپنے اعتقاد موجب اثبات پہونچاویں۔ اور اثبات کرنے کی طرح دل سے یہ ہے کہ جس کی تعریف کو خیال کرے سمجھے کہ اللہ ہی کی فی الحقیقت یہ تعریف ہے مثال اس کی جیسا کسی خوبصورت کو جو بڑے درجہ کا خوبصورت ہو دیکھے اور اس کے حسن کی تعریف کرے تو غور کرے کہ اس کی تعریف جو میں کرتا ہوں اس کا حسن اس کے قابو کا نہیں اور اس نے اپنا حسن آپ نہیں کر لیا۔ یہ اللہ نے اپنے کرم سے بنایا۔ وہ اس کا خالق ہے۔ فی الواقع حسن کا مالک وہی ہے اور تعریف اسی کی چاہیے۔ اس آدمی کی تعریف کرنی ایک طرح کی غفلت ہے۔ ہر چند درست ہے۔ اور اسی طور پر حسن کی تعریف کسی چیز پر ہووے سخاوت پر یا شجاعت پر سب میں یہی بات سمجھے کہ اللہ ہی کی یہ چیز ہے تو اللہ کی تعریفوں کا لحاظ کرے کہ بے شمار ہیں اور جس بندے میں کوئی وصف ہے سو وہ اسی کی ایک ادنا بخشش ہے کہ اُنے اپنے بندے کو ایک تعریف کی چیز دی ہے۔

تقریباً تمام قدیم و جدید مفسرین نے حمد کی یہی تفسیر و تعبیر کی ہے مگر سید احمد شہید نے زبان سے مجمل تعریف اور دل سے مفصل حمد کا نکتہ اچھوتا پیدا کیا ہے اور دوسرے مفسرین کے یہاں بالعموم نہیں پایا جاتا۔ حسن و کمال اور خوبی کا اصلی منبع ذات الٰہی ہے اور باقی ہر چیز جو ان صفات سے متصف ہو حسن مستعار کی حامل ہوتی ہے۔ سید شہید نے اس نکتہ کی عمدہ تشریح کی ہے اور دل چسپ بات یہ ہے کہ ان کی تفسیر کی گونج مولانا آزاد اور مولانا مودودی کی تفسیر دل میں بھی سنائی دیتی ہے۔ رسالہ حقیقت الصلوٰۃ میں سید شہید نے اس آیت کا مختلف ترجمہ کیا ہے جو ہو بہو شاہ عبد القادر دہلوی سے ماخوذ ہے۔ البتہ اس کی تشریح میں کچھ نہیں لکھا ہے۔

لیکن یہ آیت کے دوسرے جز رب العالمین کا ترجمہ سید شہید نے یوں کیا ہے: "پرورش کرنے والا ہے سارے جہانوں کا" جب کہ حقیقت الصلوٰۃ میں انہوں نے اپنے استاد گرامی کے ترجمہ میں لفظ ہے کا اضافہ کر دیا ہے: "جو صاحب سارے جہان کا ہے" پہلا ترجمہ یقیناً دوسرے سے بہتر ہے اور الفاظ قرآنی کے زیادہ قریب ہے۔ دوسرے مفسرین نے رب کے لئے پروردگار، مالک، روزی دینے والا بخشنے والا، پیدا کرنے والا، پالنے والا، تربیت کرنے والا وغیرہ کیا ہے۔ انیسویں صدی کے ایک مفسر حکیم سید محمد حسن امروہی نے غایۃ البرہان میں پرورش کرنے والا، کیا ہے۔ مولانا تھانوی نے مربی ترجمہ کیا ہے جبکہ مولانا مودودی اور مولانا اصلاحی نے لفظ "رب" ہی کو بعینہ رکھ دیا ہے۔ عالمین کا ترجمہ اکثر قدیم مفسرین نے سارے عالم، سارے جہان، تمام جہان کیا ہے البتہ کچھ حضرات نے سب کا، سب ساری مخلوق کا، ترجمہ کیا ہے۔ مولانا اصلاحی کے یہاں "کائنات"، مولانا مودودی کے ترجمہ میں "تمام کائنات" اور مولانا آزاد کے یہاں "تمام کائنات خلقت" ہے "جب کہ مولانا تھانوی نے "ہر ہر عالم" ترجمہ کیا ہے۔ سید احمد شہید نے سورہ فاتحہ کا ترجمہ یقیناً بہتر ہے اور اسی طرح ان کی مختصر تشریح بھی دلنشین ہے فرماتے ہیں۔

"سو خدا تعالیٰ کے عالم میں جو ہے سب کی پرورش وہی کرتا ہے۔ پرورش کچھ کھانے پینے پر ہی موقوف نہیں، کھلانا پلانا بھی ایک پرورش ہے۔ فرشتوں کی پرورش یہ ہے کہ اللہ ان پر ایسی عنایت فرماتا ہے کہ جس سے ان کا کمال بڑھ جاوے اور خوشی زیادہ حاصل ہو، سو پرورش سے وہ بھی خالی نہیں۔ جیسے کوئی کسی آدمی کو ایسا خوش کرے یا اس پر مہربانی فرمائے کہ وہ آدمی اس کا سبب تازہ فربہ ہو جاوے یہ کھانا دینے سے بہتر ہے اور بڑی پرورش ہے۔ اللہ کی عنایت اسی طور پر ہوتی ہے فرشتوں کی پرورش یونہی کرتا ہے۔

رب العالمین کا وصف بڑا وصف ہے کیونکہ وہ پرورش کرتا ہے تمام جہانوں کی جن کا کچھ پایاں نہیں۔ دوست دشمن بھلے برے کچھ بھی کو بغیر سوال کے پاتا ہے۔ جو ایسا ہو تو البتہ سوال قبول کرتا ہے۔"

اس کے بعد فائدہ کے ذیلی عنوان کے تحت فرماتے ہیں "جب مسلمان اللہ کے سامنے کھڑا ہو کر اس کی تعریف ایسی کرے کہ اسے دل سے سمجھے اور ٹھیک جانے کہ اسی طور پر ہے اس میں کچھ تفاوت نہیں فی الحقیقت وہ ایسا ہی ہے تو اللہ اس پر متوجہ ہو کر اس کا جواب آپ ارشاد فرماتا ہے کہ ہاں میں ایسا ہی ہوں اور اس بندے کو بھی جتاتا ہے۔ اس جواب پر ہر ایک بندہ اپنے مرتبے کے موافق کلام سنتا ہے یا اسے الہام ہوتا ہے یا دل کو تسکین اور قرار اور خوشی اللہ ہی کی متوجہ ہوتی ہے اور قبول کرنے کی پائی جاتی ہے۔ حضور دل سے سمجھ کر سوال کرنے کا سبب یہ بات ہوتی ہے اس میں تفاوت نہیں ہوتا

عام طور پر مفسرین نے "عالم گیر ربوبیت الٰہی" کا ذکر کیا ہے۔ مولانا آزاد نے اس کے نتیجہ میں تمام تنگ نظریوں کا خاتمہ دیکھا ہے جبکہ مولانا مودودی نے مالک و آقا، مربی پرورش کرنے والا، خبر گیری اور نگہبانی کرنے والا، فرمانروا حاکم اور مدبر و منتظم کے تین معانی بیان کرنے پر اکتفا کی ہے اور مولانا اصلاحی نے مولانا مودودی کے بیان کردہ پہلے دو معانی پر اسے محصور کر دیا ہے۔ مگر ان مفسرین میں سے کسی نے پرورش کی قسم و نوعیت نہیں بیان کی ہے جیسی سید احمد شہید نے کی ہے ان کا بیان کردہ فائدہ اہل دل اور صوفیانہ خیالات کا مظہر ہے۔

(باقی آئندہ)

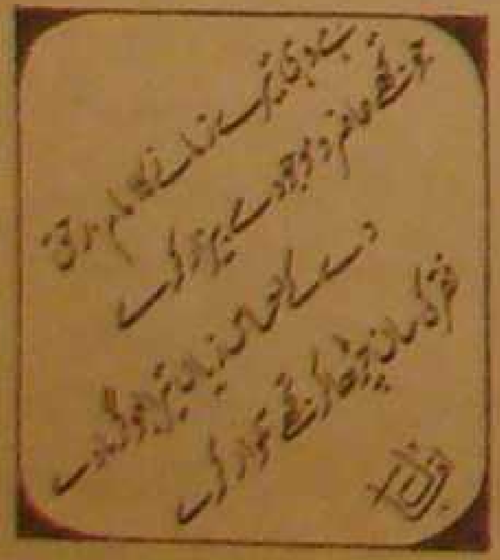

عالم اسلام

محمود الازہار ندوی

مقبوضہ عرب علاقوں میں اسرائیل کے خلاف بڑھتی ہوئی بے چینی

ایمنسٹی انٹرنیشنل نے مقبوضہ عرب علاقوں میں اسرائیل کے تشدد پر تنقید کی ہے اور کہا ہے کہ اسرائیل کی طرف سے مقبوضہ علاقوں میں طاقت کا استعمال ناجائز ہے ایمنسٹی نے الزام لگایا ہے کہ اسرائیلی فوجیوں نے زخمیوں کو اسپتال سے گرفتار کیا ہے اور باہر لے جا کر ان کو بری طرح مارا پیٹا ہے

ایک اسرائیلی روزنامہ نے مقبوضہ عرب علاقوں میں تشدد کے تازہ ترین واقعات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ : عرب باشندوں میں اتنی جرأت ہونی چاہیے کہ وہ اس بات کا اعتراف کریں کہ عرب باشندے اسرائیل کی غلامی مزید برداشت کرنے کیلئے تیار نہیں ہیں اخبار مزید لکھتا ہے کہ مقبوضہ علاقوں میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ فساد میں اسرائیلی تسلط کے خلاف ایک بغاوت ہے

اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے ایک متفقہ قرارداد میں اسرائیل سے اپیل کی ہے کہ وہ مقبوضہ عرب علاقوں سے نو فلسطینیوں کو جلاوطن کرنے کا اپنا فیصلہ ، منسوخ کرے کیوں کہ اسرائیل نے گذشتہ ۸ دسمبر سے تمام مقبوضہ عرب علاقوں میں فلسطینیوں کے مظاہروں کے بعد ان نو ۹ فلسطینی باشندوں کو جلاوطن کرنے کا اعلان کیا ہے .

اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں اردن کی طرف سے پیش کی گئی قرارداد میں کہا گیا تھا کہ فلسطینیوں کو ان ہی کے وطن سے نہیں نکالا جا سکتا ہے . سلامتی کونسل نے اردن کی اس قرارداد کو متفقہ طور پر تسلیم کر لی ، اور امریکا نے قرارداد کے حق میں ووٹ دیا گذشتہ چھ برسوں میں سلامتی کونسل نے اسرائیل کے خلاف اتفاق رائے سے پہلی قرارداد منظور کی ہے : قرارداد میں کہا گیا ہے

فلسطینیوں کی جلاوطنی ۱۹۴۹ کے جنیوا کنونشن کے خلاف ہوگی ، اس کنونشن کا تعلق مقبوضہ علاقوں میں شہریوں کے ساتھ سلوک سے ہے .

دنیا کے مختلف ملکوں نے نو فلسطینیوں کو مقبوضہ عرب علاقوں سے جلاوطن کرنے کے اسرائیل کے فیصلہ کی مذمت کی ہے بین الاقوامی ریڈ کراس نے بھی اسرائیل کے اس فیصلہ پر تنقید کی ہے اور کہا ہے کہ اسرائیل کا یہ فیصلہ ۱۹۴۹ کے جنیوا کنونشن کی خلاف ورزی ہے گذشتہ تین برسوں کے دوران اسرائیل نے مقبوضہ عرب علاقوں سے کم سے کم ۱۹ فلسطینیوں کو جلاوطن کیا ہے گذشتہ ۲۰ برسوں میں ۱۱۵۶ فلسطینیوں کو مقبوضہ عرب علاقوں سے جلاوطن کیا جا چکا ہے .

مراکش میں اسلامی ملکوں کی تنظیم کے ممبر ملکوں کے وزراء کے ایک اجتماع میں اقوام متحدہ پر زور دیا گیا ہے کہ وہ مقبوضہ عرب علاقوں میں اسرائیلی مظالم کو ختم کرائے اسلامی ملکوں کی تنظیم کی بیت المقدس کمیٹی کے اجلاس کا افتتاح مراکش کے شاہ حسن ثانی نے کیا ، اجلاس میں P.L.O کے چیرمین یاسر عرفات نے بھی شرکت کی انہوں نے اپنی تقریر میں کہا کہ خواہ کچھ ہو بیت المقدس کو ایک نہ ایک دن آزاد کرا لیا جائیگا ، انہوں نے کہا کہ بیت المقدس کو آزاد کرانے کے لئے جدوجہد جاری رہے گی ، انہوں نے مقبوضہ عرب علاقوں میں مظاہروں کو اسرائیلی مظالم کے خلاف بغاوت قرار دیا ، انہوں نے کہا کہ فلسطینیوں کو اپنی جدوجہد میں کامیابی کیلئے عرب اور دوسرے ملکوں اور مسلم ملکوں کی مادی اور اخلاقی امداد کی ضرورت ہے .

اسی درمیان تنظیم آزادی فلسطین ، اسرائیلی مقبوضہ فلسطینی علاقوں کی قانونی حیثیت کے متعلق اور اس سوال پر کہ آیا بین الاقوامی رائے دہی قانونی حیثیت رکھیگی ہیگ میں واقع بین الاقوامی عدالت کا مشورہ حاصل کر رہی ہے مسٹر عرفات نے بتایا کہ بین الاقوامی عدالت کی رائے کی ضرورت اقوام متحدہ ، سلامتی کونسل کی قرارداد ۶۰۵ کی روشنی میں پیش آئی ہے کیونکہ اس قرارداد میں فلسطین کو مقبوضہ علاقوں اور اسرائیلی فوج کو قابض قرار دیا گیا ہے ، مسٹر یاسر عرفات نے بتایا کہ نامیبیا کے متعلق سلامتی کونسل کی قرارداد کی قائم کردہ مثال کی بنیاد پر تنظیم آزادی فلسطین یہ اقدام کر رہی ہے ، مسٹر یاسر عرفات نے کہا کہ مقبوضہ علاقوں کی قانونی حیثیت کے متعلق بین الاقوامی عدالت کے فیصلہ کی بنیاد پر ہم اقوام متحدہ یا سلامتی کونسل سے ان علاقوں کو ان کی سرپرستی میں لینے کی درخواست کر سکیں گے ، انہوں نے کہا کہ اقوام متحدہ کی سرپرستی میں ہمارے عوام اپنے حقوق حاصل کر سکیں گے .

شرق وسطی میں امن کے عمل کو آگے بڑھانے کیلئے امریکی انتظامیہ مصر کے صدر حسنی مبارک کو ایک نیا پلان پیش کرے گی مصری صدر واشنگٹن کے دورے پر جانے والے ہیں اخبار الشرق الاوسط نے امریکی سفارتی ذرائع کے حوالے سے بتایا کہ امریکی حکومت نے مصر ، اردن ، شام ، لبنان ، اسرائیل اور روس کے ساتھ تبادلہ خیال کرنے کے بعد اس پلان کو مکمل کر لیا ہے امریکہ نے اس پلان کے بارے میں مذکورہ ممالک سے ۱۹۸۷ کے آخری سہ ماہی کے دوران روابط قائم کئے تھے امریکی پلان میں شام ، لبنان ، مصر ، اسرائیل اور ایک مشترکہ اردنی فلسطینی وفد کے درمیان ایک علاقائی کانفرنس کا انعقاد شامل ہے ، جس کا اہتمام امریکہ اور روس کریں گے ، کانفرنس کے شرکاء ممالک کو علاقائی کانفرنس کی کامیابی کی صورت میں مشرق وسطی میں امن کے لئے ایک بین الاقوامی کانفرنس کے انعقاد پر اصولاً راضی ہونا پڑیگا دریں اثناء مسٹر یاسر عرفات اپنے ہیڈ کوارٹرس بغداد میں نامہ نگاروں سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ وہ اقوام متحدہ کے زیر اہتمام ایک بین الاقوامی کانفرنس میں یہودی مملکت کے ساتھ امن بات چیت کیلئے تیار ہیں انہوں نے کہا کہ میں اسرائیل کو چیلنج کرتا ہوں کہ وہ گفتگو کی میز پر آئے اور امریکہ کو ایک بین الاقوامی کانفرنس کے انعقاد میں مدد دینے کی آواز دے ، تاہم یاسر عرفات نے کہا کہ اسرائیل کے ساتھ بات چیت فلسطینی مسئلہ سے متعلق اقوام متحدہ کی قراردادوں پر ہی ہو سکتی ہے انہوں نے راست طور پر یہ کہنے سے انکار کر دیا کہ اس طرح کی ایک کانفرنس میں شرکت کا مطلب کیا اسرائیل کا تسلیمی نہیں ہوگا ، مسٹر یاسر عرفات نے بتایا کہ میں اقوام متحدہ کی تمام قراردادوں کو تسلیم کرتا ہوں جن میں قرارداد نمبر ۲۴۲ اور ۳۳۸ (امن اور تسلیمی کے عوض میں اسرائیل کو ۱۹۶۷ کے پہلے کی سرحدوں تک واپسی شامل ہے ، مسٹر یاسر عرفات نے کہا کہ یہ تمام قراردادیں ایک اکائی ہیں انہیں تقسیم نہیں کیا جا سکتا ، کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ چند قراردادوں کو قبول کر کے دیگر چند کو مسترد کر دے ، .

فرقہ وارانہ فسادات کا گوشوارہ

سال	فسادات	کشیدگی کے واقعہ	ہلاک: ہندو	مسلم	دوسرے	پولس	میزان	زخمی: ہندو	مسلم	املاک کا نقصان روپیوں میں
۱۹۸۱ء	۲۱۹	۱۴۹۰	۶۷	۱۲۷	۲	۰	۱۹۶	۱۰۵۰	۹۸۶	۸۹۵۲۱۸۳
۱۹۸۲ء	۴۷۴	۱۹۵۴	۸۳	۱۵۲	۲	۰	۲۲۸	۱۲۸۹	۱۰۵۴	۵۸۷۴۲۲۴
۱۹۸۳ء	۵۵۰	۱۳۶۰	۱۶۸	۸۵۸	۱۲۵	۲	۱۱۴۳	۱۲۵۴	۱۳۵۰	۱۸۷۵۱۹۲۶
۱۹۸۴ء	۴۷۶	۲۰۰۳	۱۲۱	۲۶۴	۴۳	۷	۴۳۵	۲۱۳۴	۱۴۳۹	۹۹۲۲۲۴۸
۱۹۸۵ء	۵۵۲	۱۴۲۹	۱۲۵	۱۸۵	۰	۲	۳۲۲	۱۴۲۹	۱۲۹۸	۵۵۰۵۹۳۹
۱۹۸۶ء	۴۱۱	۲۰۱۰	۱۵۹	۲۲۶	۰	۱	۳۹۶	۲۲۰۹	۱۶۹۳	۱۰۵۸۵۹۰۲
۱۹۸۷ء	۲۹۰	۰	۰	۰	۰	۰	۷۹۰	۶۶۳	۵۲۹	دستیاب نہیں

جون کے آخر تک

بشکریہ ٹیلی گراف کلکتہ

از کلدیپ نیر

قارئین تعمیر حیات سے

الحمد للہ کہ پندرہ روزہ تعمیر حیات حالات حاضرہ کو سامنے رکھتے ہوئے موجودہ عہد کے تقاضوں اور مسائل کے مدنظر اپنے قارئین کو مناسب و مفید غذا فراہم کرنے میں کوشاں ہے اور خدا کا شکر ہے کہ ہمارے قارئین اس سے نہ صرف دلچسپی رکھتے ہیں بلکہ ان کی پسند اور اس سے والہانہ تعلق کے خطوط برابر ملتے رہتے ہیں جن کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہوگی ۔ لیکن تعمیر حیات چونکہ اس طرح کے خطوط شائع کرنا مناسب نہیں سمجھتا اس لیے وہ خطوط شائع نہیں کیے جاتے۔ بہرحال ادارہ تعمیر حیات اپنے ان قارئین کا بہت قدرداں ہے اور ان کی ان تحریروں سے کارکنانِ ادارہ تعمیر حیات کے حوصلے بڑھتے ہیں۔ جَزَاهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا۔

ہم اپنے قارئین سے یہ گذارش کرنا چاہتے ہیں کہ وہ موجودہ پرآشوب دور میں تعمیر حیات جیسے رسالوں کا جو روحانی غذا فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ دور جدید کے فتنوں سے آگاہ کرتے ہیں اور اعتدال و توازن کی راہ دکھاتے ہیں، زیادہ سے زیادہ افراد اور گھروں تک پہنچانے کی کوشش کریں کہ یہ بھی ایک اہم دعوتی کام ہے تعمیر حیات کا ہر قاری اگر یہ فیصلہ کرے کہ اس کو تعمیر حیات کے لیے ایک خریدار ضرور بنانا ہے تو چند دنوں میں تعمیر حیات ، کی اشاعت دوگنا ہو جائے گی جس سے اس کے خسارہ میں بھی کمی ہوگی اور اس کے دعوتی مقصد کو بھی فائدہ پہنچے گا جو تعمیر حیات کے اجراء کا اصل محرک ہے۔

یاد رکھیے کہ یہ دور علم و مطالعہ کا دور ہے ، اگر ہم اپنی نئی نسل کو صحیح ذہنی غذا مہیا نہیں کریں گے تو وہ اپنے اس جذبہ مطالعہ کی تسکین کے لیے غلط لٹریچر پڑھے گی اور اس کا یک طرفہ مطالعہ دین سے ، اسوۂ نبوی سے ، اپنے اسلاف کے کارناموں سے ، اور امت کے سواد اعظم سے اس کا رشتہ کاٹ دے گا ، خصوصاً ہمارے ملک کے حالات جس رخ پر جا رہے ہیں اور ملک کے مستقبل کی جو تصویر بنائی جا رہی ہے وہ ہماری جدید نسل کے لیے نہایت بھیانک ہے ۔ لہٰذا نئی نسل کو صالح غذا پہنچانا اور خود بڑوں کو سوچنے کا صحیح رخ دینا نہایت ضروری ہے اور خدا کا شکر ہے کہ تعمیر حیات اس کام کو مناسب طور پر انجام دے رہا ہے ، لہٰذا اپنے قارئین سے اس کی توسیع اشاعت میں حصہ لینے کی توقع بے جا نہ ہوگی ۔ ہمارے بعض قارئین ایسے بھی ہیں جو وقتاً فوقتاً تعمیر حیات کو بطور تعاون رقم بھیجتے رہتے ہیں ۔ ادارہ ایسے مخلصین کا بڑا قدرداں ہے ۔ یہ حضرات اس تحریک کی شکل میں دعوتی کام میں حصہ لے کر عنداللہ ماجور ہو رہے ہیں ۔

ہمیں توقع ہے کہ اس اپیل کے بعد جدید خریداروں کے منی آرڈر ہماری ہمت اور حوصلہ کو بڑھائیں گے ۔

وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيق

مُطالعہ کی میز پر

شمس الحق ندوی

شخصیت اور فن صدیق حسن

مصنفہ صالحہ نسیم شمسی۔ ایم۔ اے لکھنؤ یونیورسٹی

قیمت ۴۰ روپیہ۔ ملنے کا پتہ دانش محل۔ لکھنؤ امین آباد

کتاب میں سید صدیق حسن مرحوم کے خاندان و حلقۂ احباب پر روشنی ڈالتے ہوئے ان کے حسن اخلاق انسان دوستی خدمت خلق صبر و ضبط کسر نفسی و مہمان نوازی تعمیری کاموں سے دلچسپی علماء و طلباء سے عقیدت و محبت کا سراپا بڑے دلکش انداز میں پیش کیا گیا ہے کتاب کو پڑھ کر ایک مومن کے حسن کردار کی ایسی تصویر سامنے آتی ہے جو قاری کے دل کو تاثر میں ڈبو دیتی ہے اور بتاتی ہے کہ اپنے لئے تو سبھی جیتے ہیں۔ دوسروں کے لئے جینا صدیق حسن سے سیکھو۔ کتاب کا مطالعہ بڑے گہرے اثرات چھوڑتا ہے

اخیر میں ان کی شاعری خصوصیات وادبی ذوق کو دکھایا گیا ہے کلام کے نمونے بھی دیئے گئے ہیں۔ کتاب کا مطالعہ نہایت مفید ہے

نقوش چین

از مولانا محمد حنیف ملی شیخ الحدیث معہد ملت مالیگاؤں
ناشر مجلس علم و ادب، اسلام آباد مالیگاؤں (ناسک)

قیمت ــ ۲۵ روپیہ

مولانا محمد حنیف ملی داعیانہ ذوق و جذبہ رکھنے والے صاحب قلم لوگوں میں سے ہیں ابھی کچھ عرصہ پہلے چین کا ایک دعوتی سفر کیا تھا مولانا نے چینی مسلمانوں کی زندگی ان کی مظلومیت و ضروریات کا گہری نظر سے جائزہ لیا ہے اور اپنی اس کتاب میں چینی مسلمانوں کی زندگی کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالا ہے۔

کتاب کے مطالعہ سے چینی مسلمانوں کے حالات کا نقشہ سامنے آجاتا ہے مقدمہ نگار کے الفاظ میں مولانا نے "چین کے دینی مدارس، وسیع و عریض مساجد، قابل و مستند علماء مسلمانوں کی علمی سرگرمیوں،

مسلم تنظیموں کی کارکردگی کے ساتھ دنیاوی پیش رفتی کو یکجا کر دیا ہے۔"

کتاب کے مطالعہ سے جو مشاہدات و تاثرات اور جائزے کی روشنی میں تیار کی گئی ہے قاری کو چینی مسلمانوں سے متعلق بیش بہا معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ کتاب کا مطالعہ ہر اس شخص کے لئے ضروری ہے جو دنیا میں بسنے والے مسلمانوں کے حالات و مشکلات معلوم کرنے کا جذبہ رکھتا ہے

ہندوستان اور نظام قضا

از مولانا عتیق احمد بستوی
استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
ناشر مکتبہ امارت شرعیہ بہار واڑیسہ، پھلواری شریف پٹنہ

مولانا نے ۸۰ صفحات پر مشتمل اس کتابچہ میں ہندوستان میں نظام قضا کا جائزہ۔ قضا کی ضرورت، شرعی حیثیت اور نصب قاضی کے طریقۂ کار کے بارے میں خالص علمی اور فقہی بحث کتاب و سنت اور فقہ اسلامی کی اور علماء و سلف کے اقوال کی روشنی میں پیش کیا ہے خود ہندوستان میں قضا کے جو مختلف دور گذرے ہیں انگریزوں کے عہد میں علماء نے اس فرض کو انجام دینے کی جو کاوشیں کی ہیں۔ اس کا نقشہ بھی پیش کیا ہے۔ اور نظام قضا کے قائم کرنے پر پورا زور دیا ہے کہ اس کے بغیر ہندوستانی مسلمان اپنی ملی خصوصیات کو باقی نہیں رکھ سکتے اور اگر ایسا نہ کیا گیا تو حالات کی نئی تبدیلیوں سے ہمارے تمام شرعی قوانین جدید قوانین کی زد میں آکر ختم ہو جائیں گے اور ہماری آئندہ نسل اپنے اس سرمایہ ملی سے نہ صرف تہی دست ہو جائے گی بلکہ وہ اپنے دین و عقیدہ سے بھی محروم ہو جائے گی۔

جلسہ تعزیت دارالعلوم تاج المساجد بھوپال
بسلسلہ انتقال

صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب

جناب سید صباح الدین عبدالرحمان صاحب ناظم دارالمصنفین اعظم گڑھ کا انتقال پر ملال ۱۸ نومبر ۱۹۸۷ء کو لکھنؤ میں ہوا۔

حادثہ وفات ڈالی گنج پل پر سے گذرتے ہوئے رکشہ سے گر پڑنے سے ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ وفات کے وقت آپ کی عمر تقریباً ۷۵ سال تھی۔

مولانا سید صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب علامہ سید سلیمان صاحب کے رشتہ دار تھے۔ آپ کا خاص ذوق تاریخ اسلامی تھا شبلی ڈگری کالج میں آپ نے اس کے پروفیسر کی حیثیت سے کام کیا۔ پھر فیاض ازل نے آپ کو اسلامی تاریخ اور علمی تحقیق کے بلند پایہ مقصد کے لئے انتخاب فرمایا اور آپ دارالمصنفین سے منسلک ہوئے اور علامہ سید سلیمان ندوی کے زیر تربیت آپ کی صلاحیتوں کا فروغ ہوا۔ آپ نے دارالمصنفین کے رفیق کی حیثیت سے چند بلند پایہ تاریخی کتابیں تصنیف کیں جن میں غیر مسلم اور متعصب مورخین کے الزامات کی علمی و تحقیقی طریقے پر تنقید کی۔ اور طویل زرین اسلامی عہد کی ایسی تاریخ مرتب کی جو جمال و جلال کا حسن امتزاج تھی۔ اس طرح آپ کی شہرت ہوئی اور اسلامی عہد کی تاریخ پر آپ کی تحریر نے سند کا درجہ پایا علمی و تحقیقی اسلوب کے ساتھ ساتھ آپ کے قلم میں روانی اور جولانی بھی تھی۔

پھر وہ وقت آیا جب سید صباح الدین صاحب ایک عظیم بار امانت کو اٹھانے کے قابل ہوئے۔ اور دارالمصنفین (شبلی اکیڈمی) کے ناظم مقرر کئے گئے یہ ادارہ علمی و تحقیقی و فکری اعتبار سے دنیا میں اپنا لوہا منوا چکے تھے۔ اس کے بانی اعظم کا شہرہ اور غلغلہ علمی تاریخی، اسلامی اور ادبی دنیا میں بلند تھا۔ دارالمصنفین عہد جدید کے معلم اول شبلی کے منتہائے فکر کا آغاز تھا۔ شبلی نے اہل علم کو ایسی زبان عطا کی تھی کہ برصغیر ہند و پاک کے اسلامی ریسرچ اسکالروں نے اس کی پیروی کی دارالمصنفین شبلی کی امیدوں کا وہ خواب تھا جس کو علامہ سید سلیمان ندوی جیسے عالم اور محقق اور مولینا مسعود علی صاحب جیسے مدبر و منتظم نے شرمندہ تعبیر کیا۔ پھر مولینا شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی اس کے ناظم ہوئے۔ اور ان کے انتقال کے بعد اس کی نظامت سید صباح الدین عبدالرحمان کو نصیب ہوئی

سید صاحب نے اس عظیم امانت کو بڑی حوصلہ مندی اور جد و جہد کے ساتھ اٹھایا۔ اس کی علمی و تحقیقی شہرت پر بھی آنچ نہ آنے دی اور اس کی مالی اور انتظامی مشاکل کو بھی بحسن و خوبی سرانجام دیا۔

تقیہ: بانی تبلیغ مولانا محمد الیاس

ہر طرف سے تہجد گزاروں اور ذاکروں اور تسبیح خوانوں کی آوازیں بلند ہوتی تھیں، کوئی سجدہ میں ہوتا تھا تو کوئی رکوع میں۔ کوئی گریہ و بکا میں تھا، تو کوئی دعاؤں میں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سچائی کا ایک آفتاب کیونکر متعدد ذروں کو اپنے پاس کھینچ کر روشن بنا دیتا ہے۔

مولانا کا جسمانی ضعف، پھر شب و روز کی یہ محنت اور دعوت کے کاموں میں ہمہ وقت کا یہ شدید انہماک و آرام و راحت کی ہر تدبیر سے کامل اعراض نے ادھر ان کو ضعیف بنا دیا تھا، مہینوں سے بخار اور اسہال کا عارضہ پیدا کر دیا تھا اور ضعف روز بروز بڑھتا جاتا تھا، ہر علاج ناکام رہا۔ مگر اس حالت میں بھی کام کے انہماک اور دعوت کے جوش کا وہی عالم تھا، آخر میں یوں تو نشست و برخاست دشوار ہو گئی تھی۔ سہارے سے اٹھتے بیٹھتے تھے۔ مگر اس حالت میں بھی نماز باجماعت کا اہتمام اخیر تک رہا۔ بلکہ فرض نماز کھڑے ہو کر ادا فرماتے ہے اور خدا جانے اس وقت ان کے اندر کہاں سے طاقت آجاتی تھی۔

۲۱ رجب ۱۳۶۳ھ (۱۳ جولائی ۱۹۴۴ء) کو وفات پائی اور اسی مقام بستی نظام الدین کی مسجد کے صحن کے باہر جنوبی و شرقی گوشہ میں اپنے والد و برادر معظم کے پہلو میں سپرد خاک ہوئے۔

جیب چیب پہ ہے واں گو ہر یکتا تہ خاک
دفن ہوگا نہ کہیں ایسا خزانہ ہرگز

(ماخوذ ــ یاد رفتگاں)

تقریب سنگ بنیاد
مدرسہ عالیہ عرفانیہ لکھنؤ

فیروز عالم

۱۲ جنوری ۱۹۸۶ء بروز جمعرات مدرسہ عرفانیہ چوک کی نئی عمارت کا سنگ بنیاد مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے مبارک ہاتھوں سے رکھا گیا۔

مدرسہ ہذا ۱۹۷۷ء میں چوک کی ایک تاریخی مسجد، مسجد حیدر بخش میں قائم ہوا تھا۔ اس قلیل مدت میں مدرسہ نے بڑی ترقی کی۔ درجۂ حفظ، درجۂ قرأت اور درجات عربی (جس میں چہارم عربی تک تعلیم ہوتی ہے۔ اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کا نصاب تعلیم داخل) میں تقریباً پونے چھ سو طلبار زیر تعلیم ہیں اور تین سو طلبا۔ کو وظائف دیئے جاتے ہیں۔ جن حضرات نے اس مسجد کو دیکھا ہے، وہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہ طلبا کیسے پڑھتے ہوں گے۔ اور کیسے درس ہوتا ہوگا۔ جگہ کی شدید قلت کی وجہ سے بڑی ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ کوئی مناسب جگہ حاصل کر کے نئی عمارت کی تعمیر کی جائے۔ خدا کا شکر ہے کہ عبدالعزیز روڈ پر لب سڑک ایک مناسب اور اچھی جگہ مل گئی۔ مدرسہ کے بانی و مہتمم قاری مشتاق احمد صاحب صاحبزادہ گرامی عارف باللہ حضرت مولانا محمد احمد صاحب نے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی سے درخواست کی کہ حضرت والا اسکا سنگ بنیاد رکھیں۔ حضرت نے منظور فرما لیا۔ اور آج ۱۲ جنوری ٹھیک ۱۱ بجے دن یہ مبارک تقریب منعقد ہوئی۔ اس موقع پر شہر کے کافی لوگ جو مختلف طبقوں سے تعلق رکھتے تھے۔ بڑی تعداد میں موجود تھے دارالعلوم ندوۃ العلماء کے نائب ناظم مولانا معین اللہ صاحب ندوی اور بڑے اساتذہ مولانا محمد رابع صاحب حسنی ندوی، مولانا واضح رشید ندوی، مولانا عبداللہ عباس ندوی معتمد تعلیم ندوۃ العلماء مولانا شمس الحق ندوی اڈیٹر "تعمیر حیات" مولانا نذر الحفیظ ندوی وغیرہ بھی شریک تھے۔

اس مبارک تقریب کا آغاز قاری محمد وسیم خان صاحب استاذ مدرسہ عالیہ عرفانیہ کی تلاوت پاک سے ہوا۔ اس کے بعد چند طلبار نے مدرسہ کا ترانہ دلکش انداز میں پڑھا۔ جس کے آخری دو بند آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

کیا آراستہ مشتاق نے جس کو تدبر سے
وہ راز حق نگر حق آشنا ہو کر عیاں ہوگا
یہ ظاہر فیض احمد ہے یہ باطن ابر رحمت ہے
تعاون بوالحسن کا اس میں بنیادی نشاں ہوگا

•

اس کے بعد ایک چھوٹے طالب علم نے عربی میں مہمانوں کا استقبال کیا۔ آخر میں مولانا اسحاق حسینی ندوی نے مدرسہ کا مختصر تعارف کرایا۔ اور حضرت مولانا مدظلہ سے خطاب فرمانے کی گذارش کی مولانا محترم تشریف لائے اور حمد وثنا کے بعد سورۂ اقراء کی ابتدائی آیات تلاوت فرماتے ہوئے عوام وخواص کو خطاب کرتے ہوئے بتایا کہ "علم" دنیا میں اسلام سے پہلے بھی تھا اور آج بھی ہے لوگوں میں لوگوں کو مطمئن کرنے کی صلاحیت پہلے بھی تھی اور آج بھی ہے لیکن اسلام میں علم کا مفہوم معرفت الٰہی ہے اور اللہ تعالیٰ کی حقانیت ہے

آپ نے فرمایا کہ وہ علم جو پہلے تھا اس میں اللہ کی معرفت نہیں تھی۔ اسکے لئے جب سب سے پہلی وحی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر غار حرا میں نازل ہوئی اس لفظ سے نہیں کہ عبادت کرو اور نہ اس لفظ سے کہ حرام چیزوں سے رکو بلکہ یکایک حضرت جبرئیل کی آواز بلند ہوئی اور سب سے پہلا پیغام "اقراء" کی شکل میں ملا اور وحی بھی "اقراء" ہی کے لفظ سے شروع ہوئی۔ پڑھو مگر یوں ہی نہ پڑھو جیسے دنیا پڑھتی رہی ہے بلکہ اللہ کے نام سے پڑھو جو تمہارا رب ہے اسی کے نام سے پڑھو جو تمہارا خالق ہے۔ جس نے انسانوں کو پیدا کیا۔ مولانا نے بتایا کہ اس سے پہلے دنیا اللہ کے نام سے نہیں پڑھتی تھی اور وہ علم ایک بے مقصد علم تھا جس کا اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک کوئی مقام و مرتبہ نہیں۔ حضرت مولانا نے فرمایا کہ اس علم کے لئے ذات ضروری نہیں۔ درحقیقت یہ ایک ایسا علم ہے کہ اسلام اور علم کا چولی دامن کا ساتھ ہے اسلام علم کے بغیر نہیں رہ سکتا اور یہ علم بھی اسلام کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مولانا نے مزید فرمایا کہ وہ "علم" علم ہی نہیں جو وحی کے ماتحت نہ ہو اور اس کی رہنمائی میں نہ ہو درحقیقت علم تو وہ ہے جو وحی کے ماتحت ہو اسی کی رہنمائی میں ہو علم تو وہ ہے جو نبوت کی انگلی پکڑ کر چلے۔ علم وہ ہے جو وحی و نبوت کی تصدیق کرے اور جو علم وحی نبوت اور اس کی رہنمائی کے ماتحت نہ ہو درحقیقت وہ "علم" نہیں وہ جہل ہے

مولانا نے فرمایا کہ اس نے علم کو پیدا کیا اور وہی علم عطا کرنے والا ہے اس دین کا سلسلہ علم سے بندھا ہوا ہے اگر اس کا سلسلہ اس سے منقطع ہو جائے تو ہم صحیح حقائق نہیں معلوم کر سکتے۔

حضرت مولانا نے دوران خطاب ایک نصیحت آموز واقعہ سنایا جو خاص طور پر فضلاء مدارس کے لئے ایک سبق آموز واقعہ جو نخاس کے بازار میں فروخت ہوتی ہوئی چیزوں کے مانند بک جاتے ہیں آپ نے فرمایا "مولانا عبدالرحیم صاحب رامپوری رام پور میں درس دے رہے تھے اور آپ کی تنخواہ صرف پندرہ روپئے تھی، رام پور میں اس وقت سر ہیکنس گورنر تھا اس نے مولانا سے کہا کہ حضرت آپ یہاں تشریف لے آئیں مولانا نے جواب دیا کہ میری تنخواہ بند ہو جائے گی اس نے کہا کہ میں ڈیڑھ سو روپے آپ کو تنخواہ دونگا اور اس وقت کی دو سو رقم ایک اچھی خاصی رقم تھی آپ نے فرمایا کہ کسی کی آدھی کتاب ہوئی ہے اور کسی کی پوری باقی ہے میں آجاؤں گا تو ان بچوں کا بہت نقصان ہوگا اس نے کہا کہ ان لوگوں کو بھی آپ ساتھ لے آئیں پھر مولانا نے فرمایا کہ میرے گھر کے سامنے ایک بیری کا درخت ہے میں روزانہ صبح اسی سے ناشتہ کرتا ہوں اگر میں چلا گیا تو میری صحت خراب ہو جائے گی اس نے کہا کہ میں ڈاک سے منگوا دونگا۔ پھر مولانا نے فرمایا کہ اچھا آخری بات یہ تو بتاؤ کہ کل قیامت کے دن اگر اللہ تعالیٰ نے مجھ سے پوچھا کہ تم نے میری تعلیم کو دو سو روپئے کی خاطر چھوڑ دیا تو میں کیا جواب دونگا۔ اس پر وہ انگریز خاموش ہو گیا اور کوئی جواب نہ دے سکا۔

مولانا نے فرمایا کہ یہ تھے ہمارے اسلاف اور آج دنیا بدل گئی ہے دولت کی ہوس اور طمع بڑھتی جارہی ہے پھر دعا کے بعد جلسہ کا اختتام ہوا۔ اور حضرت مولانا مدظلہ نے اپنے دست مبارک سے سنگ بنیاد رکھا۔

مستند اذکار و دعاؤں کا انمول تحفہ

مسنون دعائیں

مرتبہ حفیظ الرحمن اعظمی ندوی

اس مختصر سی لیکن محقق و مستند کتاب میں انسانی زندگی کے اہم پہلوؤں سے متعلق دعائیں، حدیث کی کتابوں سے انتخاب کر کے سلیس اردو ترجمہ کے ساتھ جمع کر دی گئی ہیں۔ اس کتاب کو جلیل القدر علماء و موقر اخبارات و رسائل نے سراہا ہے۔ اعلیٰ کتابت، آفسیٹ کی دیدہ زیب طباعت۔ قیمت صرف تین روپئے۔

ناشر
دارالکتاب الاسلامی ابراہیم پور ضلع اعظم گڑھ یوپی

ملنے کا پتہ
انجمن فاروقیہ، ابراہیم پور پوسٹ دیوکلی تارن ضلع اعظم گڑھ یوپی ۲۷۶۲۰۲

براہ کرم جواب طلب امور کے لئے جوابی خط ارسال کریں نیز حوالہ خریداری نمبر ضرور تحریر کریں۔ (منیجر)